جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

کتب خانہ
جامعہ علفیہ جابند

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد
عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ
بانی جامعہ مدنیہ

نگران
مولانا سید رشید میاں مدظلہ
مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

اکتوبر
سنہ ۱۹۹۵ء

جمادی الاولیٰ
سنہ ۱۴۱۶ھ

چھ چیزیں دلوں کے بگاڑ کا سبب ہیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دلوں میں چھ چیزوں کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور خلوص نہیں رہتا :

(۱) یہ کہ توبہ کی امید کا بہانہ لے کر گناہ کرتے رہنا۔

(۲) یہ کہ علم پڑھنا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا ۔

(۳) یہ کہ اگر عمل بھی کیا جائے تو اس میں خلوص وللّٰہیت کو مدنظر نہ رکھنا۔

(۴) یہ کہ اللہ کی عطا کردہ روزی کھانا اور شکرگزاری نہ کرنا۔

(۵) یہ کہ اللہ کی تقسیم پر راضی نہ ہونا اور تقدیر کی شکایت کرنا۔

(۶) یہ کہ ہمیشہ اپنے مردوں کو زمین میں دفن کرتے رہنا اور پھر بھی ان کے انجام سے عبرت حاصل نہ کرکے فریبِ دنیا میں مشغول رہنا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

گذشتہ ماہ افغانستان کے دارالحکومت کابل میں پاکستانی سفارت خانہ کو نذرِ آتش کیے جانے کا افسوسناک واقعہ پیش آیا جس کے نتیجہ میں قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔ کسی بھی ملک کے سفیر اور دیگر سفارتی عملہ کی حیثیت ملکی ترجمان اور نمائندہ کی ہوتی ہے۔ کوئی سے دو ممالک باہمی رضامندی سے طے پانے والی حدود اور ضابطوں کے مطابق سفراء کا تبادلہ کرتے ہیں، تاکہ ان حدود میں رہتے ہوئے یہ سفراء اپنے سیاسی، فوجی، تجارتی اور ثقافتی معاملات خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہیں اور اپنے اپنے ملک کے اداروں اور عوام کو مذکورہ بالا امور میں راہ نمائی کے ساتھ ساتھ سفری سہولتیں بھی فراہم کرتے رہیں۔ اور یوں باہمی معاملات خوش اسلوبی سے طے پاتے رہیں۔ اور کسی غلط فہمی کی صورت میں اس کا فوری ازالہ بھی ممکن ہو لہٰذا اگر کسی فریق کی جانب سے کوئی زیادتی ہو بھی جائے تو اس کے اظہار کی بہت سی صورتیں ہیں۔ سفارت خانہ کو نذرِ آتش کرنا اور سفارتی عملہ کی جانوں کا ضائع ہو جانا عالمی سطح پر مسلمہ سفارتی ضابطوں کے بالکل خلاف ہے۔ اس قسم کے سلوک کو اسلام کسی کافر ملک کے نمائندہ کے ساتھ بھی جائز قرار نہیں دیتا۔ اور یہ تو دو مسلم ملکوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ اس کو بہت ہی خوش اسلوبی سے طے کرنا چاہیئے تھا۔ جب کسی ملک کا باشندہ ویزا لیکر کسی ملک میں داخل ہوتا ہے تو اس کی جان و مال کی حفاظت اس ملک کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسیلمہ (مدعی نبوّت)

کی جانب سے ابن النواحہ اور ابن اُثال بطور پیغامبر کے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مَیں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم تو گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مَیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اگر بالفرض مَیں نے کسی پیغامبر کو قتل کرنا ہوتا تو تم دونوں کو ضرور قتل کر دیتا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں پس یہ دستور (اور ضابطہ) طے پاگیا کہ پیغامبر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف باب الامان)

افغانستان کی جانب سے حکومتِ پاکستان اور آئی۔ایس۔آئی پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ اس نے ہمارے معاملات میں مداخلت کی ہے اور صدر غلام ربانی کے خلاف طالبان کی مسلسل حمایت کی ہے۔ یہ الزام کس حد تک صحیح ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ پاکستان کی جانب سے اس حادثہ پر ڈھیلا ڈھالا ردِّ عمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ دال میں کالا کالا ہے۔ خدا کرے کہ افغانستان کا یہ الزام غلط ہو۔ البتہ اگر واقعہ میں ایسی کوئی بات ہوئی ہے تو ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ دو متحارب مسلم جماعتوں کے درمیان صلح صفائی کی کوششوں پر زور دینا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کی قوّت کفّار کے خلاف استعمال ہو جو کہ بہت بڑی نیکی اور عبادت ہے جس کو "جہاد" کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اتحاد اور سچا جذبۂ جہاد پیدا فرمائے۔ آمین

مولای صل وسلم دائما ابدا　　علیٰ حبیبک خیر الخلق کلہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاءاللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است　　خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

کیسٹ نمبر ۴ سائڈ بی ۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۱ء

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وّاٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد! عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بینا انا نائم اوتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سواران من ذھب فکبرا علیّ فاوحی الی ان انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھما الکذابین الذین انا بینھما صاحب صنعاء وصاحب الیمامۃ[1]

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک دن) مَیں سو رہا تھا کہ (خواب میں) زمین کے خزانے میرے سامنے لائے گئے۔ پھر میرے ہاتھ پر سونے کے دو کنگن رکھے گئے جو مجھ پر گراں گزرے، (خواب ہی میں) مجھ پر وحی کی گئی کہ ان دونوں پر پھونک ماریئے، چنانچہ مَیں نے پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن اڑ گئے، مَیں نے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۹۵

ان دونوں کنگنوں سے ان دونوں جھوٹوں کے بارے میں تعبیر لی (باعتبار مسکن اور علاقے کے)

جن کے درمیان مَیں ہوں یعنی ایک تو یمامہ والا (مسیلمہ کذّاب) دوسرا صنعاء والا (اسود عنسی)

ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے اور میرے ہاتھ میں دو کنگن سونے کے رکھے گئے، یہ دو کنگن سونے کے جو تھے میری طبیعت پر بار گزرے۔ فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنِ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا وحی فرمائی گئی مجھ پر کہ ان پر پھونک مارو فَنَفَخْتُهُمَا مَیں نے پھونک ماری فَذَهَبَا یہ جاتے رہے (یعنی وہ دونوں کنگن) جو نظر آ رہے تھے وہ غائب ہو گئے۔ فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ الَّذَيْنِ اَنَا بَيْنَهُمَا ان کی تعبیر میں نے یہ نکالی کہ یہ دونوں جھوٹے مراد ہیں جن کے درمیان مَیں ہوں۔ ایک "صاحب صنعا" یمن کا اسود عنسی اور ایک "صاحب یمامہ" صاحب یمامہ مسیلمہ کذّاب تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں بعض لوگوں نے یہ سوچا کہ یہ نبوّت کا دعوی جو ہے یہ بھی اچھا کاروبار ہے۔ لوگ عقیدت مند ہو جاتے ہیں اور قبضہ جیسے تسلیم کر لیتے ہیں، حکومت ہو جاتی ہے۔ جو کہا جائے وہ پورا ہوتا ہے اور یہ ایک طرح کی حکومت ہے جو بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے، تو کچھ لوگوں نے اس قسم کے دعوے شروع کر دیئے اور دعوؤں میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ کوئی خبریں دی جائیں کہ یہ ہونے والا ہے۔ یوں ہوگا، یہ ہوگا، وہ ہوگا، تو اس سے لوگ عقیدت مند ہو جاتے ہیں کہ ہاں یہ خوب کہتے ہیں صحیح کہتے ہیں۔ جب ایک بات صحیح نکلے گی تو پھر وہ کہے گا کہ سارا باتیں صحیح ہوں گی ان کی۔

تو یہ دو آدمی تھے۔ ان دونوں کا تعلّق اس طرح جنّات سے تھا۔ کاہن تھے۔ اس زمانے میں کہانت کا رواج تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی قبیلہ ایسا نہیں تھا جہاں کاہن موجود نہ ہو۔ بہت زیادہ رواج تھا اس کا، جنّات سے کچھ تعلّق کر لیتے تھے کاہن عملیات کے ذریعے وہ خبریں دیتے رہتے تھے اور یہ لوگوں کو بتلاتے رہتے تھے، یہ لوگ کاہن کہلاتے تھے۔

اسی طرح جادو بھی کرنے لگتے ہیں جنات ان کو بتلاتے ہیں طریقے اُن پر وہ چلتے ہیں تو جادو ہو جاتا ہے۔

یہ مسیلمہ کذّاب بھی ایسی ہی چیز تھی۔ اس کا بھی جنّات سے تھا تعلّق اور کاہن تھا یہ بھی

کرتا تھا باتیں۔

ایک عورت نے بھی دعوٰی کر دیا تھا سَجَاحْ اس کا نام تھا، اور ایک اَسْوَدْ عَنْسِیْ تھا۔ یہ دونوں کے دونوں ذرا ___ اس بنا پر سخت تھے کہ ان کے قبیلے ان کے ساتھ تھے۔ ان کے قبیلوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ اس بنا پر یہ گویا بڑے بڑے دعویداروں میں سے ہوئے۔

مسیلمۂ کذاب تو اتنا طاقت ور تھا کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس حاضر بھی ہوا اور اس نے مطالبات رکھے کہ یہ کریں اور یہ کریں۔ زمین آدھی میری ہوگی اور آدھی آپ کی ہوگی۔ حکومت آدھی پر میری ہو اور آدھی پہ آپ کی ہو۔ یعنی اس کو بڑا اپنی طاقت پر اور لوگوں کی پیروی کی وجہ سے کثرت پر ایک ناز اور گھمنڈ ہو گیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ارشاد فرمایا کہ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ زمین تو اللہ کی ہے اور اللہ جسے چاہے دے اسے کوئی روک نہیں سکتا، کوئی کام بھی نہیں آتا اس کے مقابلے میں۔ ساری کوششیں اور طاقتیں سب ایسے ہو جاتی ہیں جیسے کہ مفلوج ہو گئیں، تو اس میں آپ نے یہ فرمایا کہ زمین پہ قبضے کی بات نہیں زمین تو اللہ کی ہے۔ حکومت کی ہمیں طلب نہیں، ہدایت کی طلب ہے اور جہاں تک مسلمان پھیل چکے ہیں اسلام آچکا ہے، وہاں تک تو ہے، (ابھی) اور بڑھے گا یہ (کام) اور اس خیال سے جس خیال پر تم ہو اگر اس خیال سے تم مجھ سے یہ چھڑی مانگو (دستِ مبارک میں چھڑی تھی، تو فرمایا کہ) یہ چھڑی بھی میں نہیں دوں گا۔ تمہیں اس طرح تو میں کچھ بھی نہیں دوں گا اور ھٰذَا ثَابِتٌ یُّجِیْبُکَ عَنِّیْ یہ ثابت بن قیس بن شمّاس ___ صحابی تھے۔ اور بہت فصیح اللسان تھے۔ بہت عمدہ بیان کرتے تھے۔ آواز بھی ان کی بڑی تیز تھی۔ آواز مجمع تک پہنچ جاتی سب تک، تو یہ ثابت ہیں یہ میری طرف سے جواب دیں گے تمہیں،

اور یہ بھی فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ جو میں نے خواب میں دیکھا ہے وہ تم ہی ہو ایک اُن میں سے، تو مسیلمہ کذّاب جو تھا یہ یہاں سے چلا گیا اور بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مقابلہ ہوا یمامہ میں اور صحابۂ کرام شہید بھی ہوئے۔ بہت نقصان ہوا صحابہ کرام کا بھی، کیونکہ واقعی طاقت وَر تھا یہ، لیکن یہ بھی مارا گیا، فتنہ ختم ہو گیا۔ (ایک) اسود عنسی تھا۔ یہ صنعاء یعنی یمن کا دارالخلافہ جواب بھی صنعا کہلاتا ہے اس طرف کا رہنے والا تھا۔ اس نے دعوٰی کیا۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو وہاں حاکم تھے ان کو شہید کیا۔ ان کی بیوی سے شادی کرلی جبراً، بہت کچھ آگے بڑھا —— لیکن اس کا بھی اسی طرح سے ہوا۔ خدا کی قدرت ایک شخص نے اسے مار دیا پس اس نے تاک لگائی پھر چھوٹا سا گروپ بنایا یعنی گوریلا طرز پر وہ گیا اور اس نے اس کو مار دیا پھر وہاں جو دوسرے مسلمان تھے انہوں نے غلبہ کرلیا اور یہ (یعنی اسود عنسی) اور اس کی ساری طاقت اور سارے پیروکار سب بدل گئے، ختم ہوگئے۔

تو اس میں یہ سبق ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً یہ بتلایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور جو بھی یہ دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے، وہ کذّاب ہے۔ آپؐ نے عملاً یہ بتلایا، اور واقعات میں گویا ثابت ہوگیا یہ کہ وہ جھوٹے تھے ختم ہوگئے۔ جیسے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا ویسے ہی ہوا اور خواب کا جو دوسرا حصہ تھا وہ یہ کہ "خزائنِ ارض" زمین کے خزانے لائے گئے۔ زمین کے خزانے یعنی فتوحات وہ اسلام کو، مسلمانوں کو اتنی زیادہ حاصل ہوئیں کہ ان کے عروج کے زمانے میں دو طاقتیں دنیا میں نہیں تھیں۔ دنیا میں فقط ایک ہی طاقت رہ گئی، اس اعتبار سے بے مثال عروج کہلائے گا۔

مثال کے طور پر اکثر و بیشتر دنیا میں دو طاقتیں رہتی ہیں۔ تین بھی ہوسکتی ہیں۔ ایک ہی طاقت ساری دنیا پر غالب ہو یہ نہیں ہوتا۔ آج بھی دیکھ لیں دو طاقتیں موجود ہیں۔ روس موجود ہے، امریکہ موجود ہے یہ گویا سپر طاقتیں کہلاتی ہیں۔ باقی جو ہیں وہ ان سے چھوٹی ہیں سب اور ان (طاقتوں) میں سے کسی نہ کسی سے کوئی نہ کوئی ربط اُن (چھوٹی طاقتوں) کا ہے۔ کسی دو میں سے ایک گروپ کے وہ ساتھ ہیں۔

اس زمانے میں بھی یہی تھا اسلام سے پہلے، ایک تھے رومی اور ایک تھے ایرانی —— یہ دو طاقتیں تھیں بہت بڑی۔ اور اسلام جب بڑھا ہے تو یہ دونوں (طاقتیں) فنا ہوگئیں۔ نہ رومی رہی اور نہ ایرانی رہی۔ یہ دونوں ختم ہوگئیں اور پھر صرف اسلام اور مسلمان ہی پوری دنیا میں ایک طاقت بن کر رہے، تو مفاتیحِ خزائنِ ارض جو ہیں یعنی پوری زمین کے خزانے اس کا مطلب یہی ہے کہ فقط مسلمانوں کی حکومت اور ان کا غلبہ بے حساب حاصل ہوگا۔ یہاں تک، اسی طرح ہوتا چلا گیا چین کے علاقے تک ایسے ہی ہوتا چلا گیا۔ ادھر بھی یورپ میں اسی طرح ہوا۔ جہاں مسلمان نہیں بھی پہنچے تھے ان لوگوں نے سکے اپنے اسلامی بنا لیے، تو یہ بھی صحیح ہے حصہ وہ بھی صحیح حصہ کہ واقعتا

باقی ص ۲۶ پر

(قسط نمبر ۳۷)

سلسلہ مواخات اور سیاسی رہنماؤں کے لیے ایک سبق

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؒ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

خلافت و نیابت کے منصب جلیل کا جس طرح یہ تقاضا ہے کہ خلیفہ اپنے آقا کا فرماں بردار اور وفادار ہو۔ ایسے ہی اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے آقا کے کمالات کا مظہر ہو اور ان نقائص سے پاک ہو جو کمالات کی ضد ہیں اور عیب سمجھے جاتے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے سب سے پہلے فقروں میں خالقِ کائنات کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

① الرّحمٰن الرّحیم	بہت رحم کرنے والا۔ بہت مہربان۔
② رَبّ العالمین	تمام جہانوں کا پالنے والا
③ مالکِ یوم الدّین	مالک انصاف کے دن کا۔

① سب سے پہلے ضروری ہے کہ انسان میں رحم ہو۔ شفقت اور مہربانی ہو۔

② اس کی فطرت میں تربیت ہو (یعنی پرورش کرنا، سکھانا، سدھانا، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا) سخاوت، بخشش اور سیر چشمی جیسی صفات سے وہ آراستہ ہو۔

ربّ العالمین خود نہیں کھاتا دوسروں کو کھلاتا ہے۔ وہ بھوک پیاس سے بھی بے نیاز ہے۔ لیکن انسان (جو کھانے پینے کا محتاج ہے) اگر بھوکوں کی ضرورت کو اپنی بھوک سے مقدّم رکھے تو اس کا نام ایثار اور قربانی ہے۔

③ ربّ العالمین سب سے بڑا منصف ہے۔ اس کے خلیفہ کو بھی عدل و انصاف کا پیکر ہونا چاہیے

④ خالقِ کائنات رب العالمین عالم غیب السمٰوٰت والارض ہے۔ یعلم مافی البر والبحر[1] اس کی صفت ہے۔ اس کے خلیفہ اور نائب کو بھی ذی علم ہونا چاہیے۔ وہ عالم غیب السمٰوٰت والارض اور عالم مافی البّر والبحر نہیں ہوسکتا، مگراس کا فرض ہے کہ اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ وسعت دے اور دُعا کرتا رہے۔ رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا[3]۔

⑤ رب العالمین صرف خالق ہی نہیں بلکہ اس کی صفت ہے: بدیع السمٰوٰتِ والارض[4] (نئی طرح بنانے والا ایجاد کرنے والا) زمینوں اور آسمانوں کا۔

فکر انسان کو بھی چاہیے کہ تخلیق و ایجاد کی باریکیوں کی تلاش کرنے میں مصروف رہے۔ وہ نیست کو ہست اور معدوم کو موجود تو نہیں کرسکتا۔ یہ تو وہی کرسکتا ہے جس کے ایک حکم کُن[5] پر نیست ہست بن جائے اور عدم محض جامہ وجود سے آراستہ ہوجائے، البتہ وہ یہ ضرور کرسکتا ہے کہ موجودات کی پوشیدہ صلاحیتوں کا کھوج لگائے اور مخفی طاقتوں کے اسباب و ذرائع معلوم کرکے جدید ایجادات کو بروئے کار لائے۔

○

مختصر یہ کہ یہ اوصافِ کمال کا سلسلہ ہے ان کے برعکس اوصافِ نقص ہیں، رحم، مہربانی اور شفقت کے مقابلہ میں سخت مزاجی، سنگ دلی، جبر و قہر، سخاوت اور سیرچشمی کے مقابلہ میں بخل تنگ دلی اور کنجوسی۔ حاجت روائی اور کارسازی کے مقابلہ میں خودغرضی اور نفع اندوزی، ایثار کے مقابلہ میں، حرص طمع، رشوت ستانی اور ذخیرہ اندوزی، عدل و انصاف کے مقابلہ میں ظلم، علم کے مقابلہ میں جہل و سفاہت، تحقیق و تنقید کے مقابلہ میں اندھی تقلید۔

انسان میں قدرت نے دونوں صلاحیتیں رکھی ہیں۔ وہ اوصافِ کمال کو اپنا کر کامل و مکمل بھی بن سکتا ہے اور اوصافِ نقص کو اختیار کرکے، ذلیل، کمینہ اور شیطان اخرس بھی بن سکتا ہے۔

---

[1] ان تمام باتوں کا جاننے والا جو پردۂ آسمان یا سینۂ زمین میں چھپی ہوئی ہیں۔

[2] ان تمام باتوں اور ان تمام طاقتوں کو جانتا ہے جو سمندر یا خشکی میں ودیعت ہیں۔

[3] سورۂ ۲۰ طٰہٰ آیت ۱۱۴۔ [4] سورۂ ۶ الانعام آیت ۱۰۱۔

[5] ہوجا۔ یعنی عالم کون و ہست میں آجا۔ عالمِ وجود میں آجا۔

شریعت کا مطالبہ[۱] یہ ہے کہ انسان اوصافِ نقص سے پاک ہوکر اوصافِ کمال اختیار کرے۔ اسی کو تقدس کہا جاتا ہے۔ اس مطالبہ کو پورا کرنے کی کوشش تزکیہ ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اہم مقصد اور آپ کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دورِ حاضر کی تحریکات کا مقصد یہ ہے کہ ملک کا ہر ایک باشندہ خوش حال ہو، زندگی کی ضرورتیں اس کو میسر ہوں، باشندگانِ ملک اطمینان کی زندگی گزار سکیں۔ یہ مقصد بہت مبارک ہے، لیکن جب تک انسان بُری خصلتوں سے پاک نہ ہو۔ کیا یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔

یہ دوسرا فرق ہے جو سیرت مبارکہ کی تعلیمات کو موجودہ تحریکات سے ممتاز کرتا ہے کہ سوشلزم و نیشنلزم وغیرہ کا سکول تزکیہ اور اصلاحِ اخلاق کے مفہوم سے ناآشنا بلکہ اس کے ماحول میں یہ الفاظ قطعاً بے جوڑ اور مضحکہ انگیز ہیں جبکہ سیرۃ مبارکہ کی تعلیمات، تزکیہ کو ایسا محور قرار دیتی ہیں کہ ہر ایک نظام اسی کے گرد گھومتا ہے اور اسی کی درگاہ سے سندِ جواز حاصل کرتا ہے۔ کوئی بھی نظام ہو اگر اس کی بنیاد تزکیہ پر نہیں ہے تو وہ باطل اور فاسد ہے۔ کیونکہ سیرت مبارکہ کی تعلیمات کا مطمع نظر صرف حیوانی زندگی نہیں جو چند روزہ عارضی ہے بلکہ اس کا مطمع نظر وہ حقیقی زندگی ہے جو ابدی اور دائمی ہوگی۔ جس کی خوشگواری تزکیہ پر موقوف ہے۔

(۶)

ٹیکس کی عربی ضریبہ ہے۔ آپ پورے قرآن شریف کا مطالعہ کر لیجئے آپ کو کہیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملے گا جو مالی نظام کے سلسلہ میں ٹیکس اور ضریبہ کے مفہوم کو ادا کرتا ہو، کیونکہ ٹیکس کی تہ میں جبر اور قہر ہوتا ہے۔ قانون کے بنانے والے اگرچہ عوام کے نمائندے ہوتے ہیں، مگر اس کے نفاذ کی پُشت پر حکومت کی مسلح طاقت ہوتی ہے۔ اس طرح استحصال تو ہوسکتا ہے کہ حکومت کو رقم مل جائے اور اس کے بجٹ کا خسارہ پورا ہوجائے، مگر ادا کرنے والوں کے اخلاق کی اصلاح اور دلوں کا تزکیہ نہیں ہوسکتا۔ بُخل، طمع، حرص جیسے امراض بدستور رہتے ہیں اور آرڈیننس یا قانون کی بھیانک

---

[۱] انا عرضنا الامانۃ الی قولہ انہ کان ظلوما جھولا۔ سورۃ ۳۳ الاحزاب آیت ۷۲۔

طاقت ان امراض میں نفرت، غصّہ، بُغض اور عداوت جیسی بیماریوں کا اضافہ کر دیتی ہے۔

جاگیرداری نظام، سرمایہ داری، زمینداری انتہا یہ کہ فرد کی ملکیّت ختم کر دی جائے تو بہت سے محشر تو برپا ہو سکتے ہیں، مگر دلوں کی پاکی اور اخلاق کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ خاتمہ ملکیّت سے عائلی نظام[1] درہم برہم ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ وُہ[2] نفرت انگیز انارکی ہوتا ہے جو دامنِ عصمت و عفّت کے بھی تار پود بکھیر دیتا ہے۔

جس مالی نظام کی قرآنِ حکیم رہنمائی کرتا ہے اس کا نتیجہ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ سرمایہ داری، جاگیرداری حتیٰ کہ ملکیّت بھی ختم ہو[3] جائے، مگر یہ خاتمہ اس طرح ہوگا کہ دلوں کی دُنیا بھی بدل جائے گی۔

---

۱ صاحبِ خانہ کا اثر اور دباؤ نہ رہے تو ظاہر ہے گھر کا نظام درہم برہم اور اثر اور دباؤ صرف اس بنا پر نہیں کہ بیوی کا شوہر یا بچوں کا باپ ہے، بلکہ دباؤ اور اثر اس لیے ہوتا ہے کہ وہ مالک و قابض ہے۔ بے دست و پا صاحبِ خانہ کا اثر صرف اخلاقی مطالبہ ہوتا ہے اور جب باپ کا دباؤ نہ ہو تو کیا اولاد بااخلاق بن سکتی ہے؟

۲ خانگی نظام ختم ہونے کے بعد جب سرکاری پرورش گاہوں میں بچے پرورش پائیں گے تو ایک طرف قرابت اور رشتہ داری کے جملہ حقوق ختم بلکہ رشتہ داروں کو پہچاننا مشکل بھی ہوگا اور بے کار بھی۔ دوسری جانب جنسی تعلقات کے لیے سلسلۂ ازدواج بے معنیٰ ہو جائے گا۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے احقر کی تصنیف "دورِ حاضر کے سیاسی اور اقتصادی مسائل" اور "اسلامی تعلیمات و اشارات" (یہ کتاب مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔)

۳ انسان اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے تو ہر چیز کا اصل مالک اللہ ہے۔ بندہ کی ملکیت صرف نیابت ہے۔ جو مالکِ حقیقی کی منشار اور اس کی مصلحت کے تحت اور اس کے احکام کے تابع ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اپنے بندوں کا محافظ، مشکلات کو حل کرنے والا، حاجتوں کو پورا کرنے والا (حل المشکلات قاضی الحاجات) پس جب بھی پرورش، حفاظت، تعلیم و تربیّت وغیرہ کی ضرورتیں پیش آئیں گی انسان پر بحیثیّت نائب و خلیفہ ان ضرورتوں کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ انفرادی ضرورتیں افراد سے پوری ہوں گی۔ زکوٰۃ و صدقات اسی لیے ہیں کہ ضرورت مند افراد کی انفرادی ضرورتیں پوری کی جائیں۔ لہٰذا ان کی ادائیگی کے لیے حکومت کا توسط ضروری نہیں ہے وہ وہاں بھی لازم ہیں جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

خارجی طاقت یعنی آرڈی ننس یا قانون کی شورا شوری ۔ اہلِ ثروت اور اربابِ دولت کو سراسیمہ اور پریشان نہیں کرے گی، بلکہ خود اپنے اندرونی جذبات کی سوزش ان کی نظر میں اس دولت کو وبالِ جان اور اس کے خرچ کرنے کو راحت و اطمینان بنا دے گی۔

مالی نظام کے سلسلہ میں جو الفاظ قرآنِ حکیم یا سُنّتِ نبویہ نے استعمال فرمائے ان پر نظر ڈالیے وہ سب انقلاب انگیز ہیں، مگر بجٹ کے خسارہ کو پورا کرنے کے لیے نہیں، بلکہ دلوں کی بیماریوں کو دور کرنے کے لیے۔

سب سے پہلا اور سب سے مشہور لفظ زکوٰۃ ہے۔ جس کے مفہوم میں تزکیہ داخل ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکی ہیں اور تزکیہ کے معنی پاک کر دینا۔ یعنی زکوٰۃ اس لیے فرض ہوتی ہے کہ دلوں کو پاک کر دے۔ بخل وہ ناپاکی ہے جو دلوں کو ہی نہیں اس ملکیّت کو بھی ناپاک کر دیتی ہے جو اس کے زیرِ اثر ہو۔ زکوٰۃ دل کو بخل سے پاک کرتی ہے تو ساتھ ساتھ دولت کو بھی پاک کر دیتی ہے۔ دوسرا لفظ صدقہ ہے جو صدق سے ماخوذ ہے یعنی صدقہ اس بات کی عملی دلیل ہے کہ ملی ضرورتوں کے احساس یا غریبوں اور فقیروں کی ہمدردی کا دعویٰ ایک سچی حقیقت ہے محض نمائش اور بناوٹ نہیں۔

یہ دو مد لازمی ہیں۔ ان کے مصارف بھی معیّن ہیں۔ یہ ضرورت مند افراد کی امداد کے لیے مخصوص ہیں۔ ان دو مدوں کے ذریعے قوم کی غریبی دُور ہو سکتی ہے۔ ان کے لیے حکومت کا واسطہ بھی ضروری نہیں۔ براہِ راست صاحبِ دولت پر فرض ہے کہ اتنی مقدار اپنی ملک سے نکالے اور ضرورت مند کی ملکیّت میں دے دے۔ مملکت یا ملّت کی اجتماعی ضرورتوں پر زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقم صرف نہیں کی جا سکتی۔ ان ضرورتوں کے لیے قرآنِ حکیم نے قرض یا انفاق فی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صاحب استطاعت کا فرض ہے کہ وہ ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرے۔ اسی لیے ان میں تملیک بھی ضروری ہے یعنی ضرورت مند کو محض اجازت دے دینا کافی نہیں بلکہ مالک بنانا بھی ضروری ہوتا ہے؛ البتّہ اجتماعی ضرورتیں ہیئتِ اجتماعیہ یعنی خلافت کے ذریعے پوری ہوں گی۔ یہ اجتماعی ہیئت خلافتِ الٰہیہ کی حیثیت سے افراد پر اقتدار رکھتی ہے اور افراد کی مملوکات پر بھی۔ وہ کسی کی ملک چھین نہیں سکتی، مگر پابندی لگا سکتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "دورِ حاضر کے سیاسی اور اقتصادی مسائل"

فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (سورۂ مزمّل)

(قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا)

وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۴)

(اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور (خرچ کو بند کر کے یعنی بخل کر کے) مت ڈالو اپنے ہاتھوں آپ کو ہلاکت میں)

فرض کیجئے اسلامی مملکت کی مخالف حکومتیں اپنی جنگی طاقتیں زیادہ سے زیادہ مضبوط کر رہی ہیں۔ اسلامی مملکت کی آمدنی کے عام ذرائع دفاعی ضرورتیں نہیں پوری کر سکتے۔ ہنگامی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومتیں ایسی صورتوں میں قومی قرض[1] یا قرضۂ جنگ کی اپیل کرتی ہیں، مگر قرآنِ حکیم یہ قرض اللہ کے لیے طلب کرتا ہے۔ انفاق یعنی خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ بھی "فی سبیل اللہ" یعنی پہلے انسان کا رشتہ اللہ سے جوڑتا ہے، غیر اللہ سے اس کے دل کو پاک کرتا ہے۔ مال دولت اور ہر چیز کے مقابلہ میں اللہ کی محبت بڑھاتا ہے اور ایمان کا معیار یہ قرار دیتا ہے کہ: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ (سورۃ ۲ بقرہ آیت ۱۶۵)

(جو ایمان لائے وہ بہت بڑھے ہوئے ہیں اللہ کی محبت میں)

اسی کے نتیجہ میں وہ اس سے مالی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ ہے تزکیۂ قلب۔

---

[1] بہت ممکن ہے حکومتوں نے قرض کی اصطلاح بالواسطہ یا بلاواسطہ قرآن سے ہی سیکھی ہو، لیکن اگر یہ اصطلاح قرآن سے سیکھی ہے تو محض الفاظ قرآن کے ہیں، رُوح قطعاً غیر قرآنی ہے۔ قرآن صاحبِ دولت سے اس تعلّق کی بنا پر دولت لیتا ہے جو اس کا خدا کے ساتھ ہے اور حکومتیں سود کا لالچ دے کر قرض لیتی ہیں۔ قرآن والے قرض سے دولت کی محبّت کم ہوتی ہے، بُخل کے مرض میں تخفیف ہوتی ہے اور سرکاری قرض سے ان امراض میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ یہ ہے کہ قرآنی قرض کا بار صرف صاحبِ دولت پر پڑتا ہے، کیونکہ وہ یہ سمجھ کر قرض لیتا ہے کہ اس کا اجر دنیا میں کچھ نہیں ملے گا۔ اللہ کے یہاں ملے گا اور سرکاری قرض کا بار غریبوں پر پڑتا ہے، کیونکہ سود کی ادائیگی نئے ٹیکس لگا کر یا ٹیکسوں میں اضافہ کر کے کی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں غریب کی غریبی میں اضافہ ہوتا ہے اور دولتمند اور زیادہ دولتمند ہو جاتا ہے۔

(۷)

تزکیہ کس طرح ہوتا ہے

تزکیہ کا آغاز خود اپنے نفس سے ہوتا ہے۔ پہلے خود اپنی اصلاح کرے اپنے نفس کو بُخل، طمع، حُبِّ مال جیسی آلودگیوں سے پاک کرے، تب درجہ دوسروں سے اصلاح قبول کر لینے کی توقع کر سکتا ہے۔

اس سلسلہ تحریر کا تعلّق جناب رسالت مآب حضرت محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ مبارکہ سے ہے، لہٰذا وہی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن کا تعلّق خود ذاتِ اقدس سے ہے۔ (صلّی اللہ علیہ وسلم)

دولت پرستی اور حبِّ مال سے قلب کو پاک کرنے کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے طے فرمالیا کہ جو کچھ آمد ہو وہ شام تک خرچ کر دی جائے۔ کاشانۂ نبوّت میں رات کو کوئی ایک حبّہ بھی باقی نہ رہ سکے۔

گردنوں کو پھاند کر گزرنا خلافِ ادب ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہاں کسی مجبوری کی صورت میں یہ بے ادبی معاف سمجھی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روز خود ایسا کرنا پڑا۔ آپ عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ کو خیال آیا کہ فلاں زوجۂ مطہرہ کے یہاں آپ کی کچھ چاندی رکھی ہوئی ہے۔ جیسے ہی آپ نے سلام پھیرا، بڑی پھُرتی سے آپ کھڑے ہوئے اور ان زوجۂ مطہرہ کے یہاں تشریف لے گئے۔ فوراً ہی واپس تشریف لے آئے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ حیران ہیں کیا ماجرا ہے؟ خلافِ معمول اس طرح تیزی سے کیوں تشریف لے گئے ابھی کوئی دریافت نہیں کرنے پایا تھا کہ آپ نے خود ہی فرمادیا۔ مجھے نماز پڑھتے ہوئے یاد[۱] آیا کہ کچھ چاندی رکھی ہوئی ہے۔ مجھے گوارا نہیں کہ شام کا وقت ہو اور چاندی میرے پاس رہے۔ (ایک

---

[۱] نماز میں کسی بات کا یاد آجانا غیر اختیاری ہے اور یہ بھی فطری بات ہے کہ انسان کا ذہن اور دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے، لہٰذا فطری اور غیر اختیاری پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی؛ البتہ نماز سے غافل ہو کر خیال میں مصروف اور مشغول نہ ہو جانا چاہیئے۔ اس خیال کو ہٹا کر نماز ہی کی طرف دھیان لگا لینا چاہیئے۔ سُنّتِ مبارکہ کی تعلیم یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

روایت میں یہ ہے کہ چاندی میرے گھر میں رات گزارے) لہٰذا میں کہہ آیا ہوں کہ اس کو تقسیم کر دیں[۲]
یہ احساس لطیف کی نزاکت ہے کہ عصر کا وقت ہے۔ شام ہونے اور رات آنے میں کافی دیر[۳] ہے۔ مگر یہ دیر بھی دیر نہیں معلوم ہوئی۔ گویا دولت کی آلودگی سے جس قدر جلد ممکن ہو دامن پاک ہو جائے۔

یہ تھوڑی سی چاندی کا معاملہ تھا، ممکن ہے دو تین تولہ ہی ہو، مگر دولت کے بڑے سے بڑے انبار کے متعلق بھی آپ کا جذبہ یہی تھا۔

ایک دن کا واقعہ ہے۔ رات کی چاندنی میں آپ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ سامنے اُحد پہاڑ تھا۔ آپ نے فرمایا اگر اُحد پہاڑ کی برابر سونا میرے پاس ہو تو میری خوشی یہ ہو گی کہ تین راتیں نہ گزرنے پائیں کہ وہ سب راہِ خدا میں خرچ ہو جائے۔ ایک دینار بھی میرے پاس باقی نہ رہے۔ بجز اس دینار کے جو کسی مطالبہ کو ادا کرنے کے لیے محفوظ رکھنا پڑے[۴]

زندگی بھر درہم و دینار کو یہ سعادت میسر نہ ہوئی کہ کاشانۂ نبوت میں رات گزار سکے۔ بعد وفات کے لیے ارشاد ہوا:

لا تقتسم ورثتی دیناراً ولا درھماً ما ترکتُ بعد نفقۃِ نسائی ومؤنۃِ عاملی فھو صدقۃ[۵]

(یعنی) یہ تو ہو گا ہی نہیں کہ میرے وارث دینار یا درہم تقسیم کر سکیں؛ (البتہ کچھ جائدادیں میری تحویل میں ہیں۔ تو) ازواج کے نفقہ اور کارندے کے حق المحنت کے علاوہ جو کچھ میرا ترکہ ہو وہ صدقہ ہے۔

---

[۱] ضرورت مند اور مستحق لوگوں کی کمی نہیں تھی [۲] بخاری شریف ص۱۶۳، ص۱۱۷ [۳] مسلک احناف کے بموجب گرمیوں میں تقریباً دو گھنٹے اور حضرات شوافع کے مسلک کے بموجب دوسرے مثل ہی میں عصر کی نماز پڑھی گئی تھی تو ابھی تقریباً ایک تہائی دن باقی تھا، مگر الفاظ حدیث (کرھت ان یمسی او یبیت عندنا (بخاری شریف ص۱۶۳) سے وہی متبادر ہے جس سے مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) [۴] بخاری شریف ص۹۵۴ و ص۳۲۱ وغیرہ۔ [۵] بخاری شریف ص۳۸۹

استحصال کی بندش

تزکیہ کا مطلب صرف یہی نہیں رہا کہ اکتناز نہ ہو۔ یعنی حاصل شدہ درہم و دینار کو شب باشی کا موقع نہ ملے (شام سے پہلے ہی خرچ کر دیا جائے) بلکہ تزکیہ کا دوسرا رُخ یہ تھا کہ آمدنی صرف وہ ہو جو ہر طرح مقدّس، طیّب اور پاک ہو اور پھر اس پاک میں بھی یہ پابندی کہ زکوٰۃ اور صدقہ نہ ہو۔ یہ پابندی نہ صرف اپنے لیے بلکہ

(الف) نسلاً بعدَ نسلٍ اپنی تمام اولاد کے لیے

(ب) تمام خاندان کے لیے جو آلِ ہاشم کہلاتا تھا (انتہا یہ کہ)

(ج) اپنے خاندان کے تمام آزاد کردہ[1] غلاموں کے لیے

پھر لُطف یہ کہ (۱) محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا تمام تر ترکہ صدقہ۔ آپ کے وارثوں کو یہ حق نہیں کہ اس کو تقسیم کر سکیں (مگر صدقہ یا زکوٰۃ کی یہ مجال نہیں کہ وہ آلِ ہاشم کا دامن چھو سکے۔)

(۲) پُوری اُمّت کے لیے یہ ضابطہ کہ:

تؤخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم

یعنی جس قوم یا گروہ کے دولت مندوں سے زکوٰۃ لی جائے وہ اسی قوم یا گروہ کے ضرورتمندوں کو دیدی جائے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے لیے اس میں یہ ترمیم کہ اس ضابطہ کا جُزِ اول تو واجب العمل ہے کہ اگر دولت مند ہوں تو عام مسلمانوں کی طرح ان سے بھی زکوٰۃ وصدقہ لیا جائے، لیکن دوسرا جزو (کہ ان کے ضرورت مندوں کو دیا جائے) حرام۔[a] یعنی آلِ ہاشم کے دولت مند یہ نہیں کر سکتے کہ عام دستور کے بموجب وہ اپنی زکوٰۃ کی رقم یا صدقہ فطر اپنے کسی ہاشمی رشتہ دار یا اس کے آزاد غلام کو دے دیں۔ یہ رقم لامحالہ کسی غیر ہاشمی مسلمان کو ہی دینی ہو گی۔

صدقہ کے کھجور آئے ہوئے پڑے تھے۔ جگر گوشۂ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت حسن[2] رضی اللہ عنہ

---

[1] جن کو مولا کہا جاتا ہے، کیونکہ عربوں کا حوصلہ یہ تھا کہ وہ اپنے موالی کو بھی اپنے خاندان کا فرد سمجھا کرتے تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے موالی کو یہی حیثیّت دی ہے۔ ارشاد ہے: ان الصدقۃ لا تحل لنا وان موالی القوم من انفسھم۔ (ترمذی شریف ص۸۳ ج۱۔ ابوداؤد شریف ص۲۴۰ ج۱ وھکذا فی النسائی ص۳۶۶ ج۱)

[2] پیدائش نصف رمضان ۳ھ (تاریخ الخلفاء) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً ساڑھے چھ سال عمر تھی۔

[a] فتویٰ یہی ہے۔ اگرچہ یہ یہی بتاتا ہے کہ سیّد کی زکوٰۃ سیّد لے سکتا ہے۔ (بقیہ ص۴۸)

رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ شاہِ دوسرا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ — شافعِ روزِ جزا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

آپؐ کے صدیقؓ و فاروقؓ غنیؓ و مرتضےٰؓ — چار یارِ باصفا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

دردِ اُمت کی دوا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ — بے کسوں کا آسرا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

کوئی دنیا میں نہ آئے گا نبی، بعد آپؐ کے — آپؐ ختم الانبیاء ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

فہم و دانش سے کہیں بالا ہے منصب آپ کا — آپؐ محبوبِ خدا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

دستِ اقدس میں لوائے حمد ہوگا روزِ حشر — حامدِ حمدِ خدا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

اس جہانِ آب و گِل میں پورے عالم کے لیے — مقتداء و پیشوا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

بے شمار و بے حساب و بے حد و بے انتہا — صاحبِ جود و سخا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

گنبدِ خضراء کے اندر اپنی اُمت کے لیے
ہر گھڑی محوِ دعا ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ

ہے جلائے قلب و سینہ رحمۃٌ للعالمینؐ — کیا ہی اچھا ہے مدینہ رحمۃٌ للعالمینؐ

علم و حکمت کا خزینہ رحمۃٌ للعالمینؐ — آپؐ کا شہر مدینہ رحمۃٌ للعالمینؐ

مُشک و عنبر کی مہک سے بھی فزوں تر ہے کہیں — جسمِ اطہر کا پسینہ رحمۃٌ للعالمینؐ

اس طرح واقع زمیں پر ہے مدینہ جس طرح ہو انگوٹھی میں نگینہ رحمۃٌ للعالمینؐ

بادۂ عشقِ شہِ بطحا سے جو لبریز ہوں دیں ہمیں وہ جام و مینا رحمۃٌ للعالمینؐ

وہ زمیں عرشِ معلّٰی سے بھی افضل ہے جہاں دفن ہیں شاہِ مدینہ رحمۃٌ للعالمینؐ

جا لگے ساحل سے گر ہو جائے رحمت کی نظر اہلِ ایماں کا سفینہ رحمۃٌ للعالمینؐ

سوزِ عشقِ مصطفٰےؐ سے رات دن تپتا ہے

سرورِ عاصی کا سینہ رحمۃٌ للعالمینؐ

○

قائدِ بے مثل و برتر رحمتہ للعالمینؐ قدرتِ یزداں کے مظہر رحمۃٌ للعالمین

ہیں ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر آپ کی عظمت و شوکت کے مظہر رحمۃٌ للعالمین

جسمِ اطہر کے پسینے کی مہک سے ہیں خجل عُود و ریحاں، مشک و عنبر رحمۃٌ للعالمینؐ

سُنّتوں پر آپؐ کی چل کر صحابہؓ نے تمام کر لیا عالَم مسخّر رحمۃٌ للعالمینؐ

نام جس کا آپؐ کی اُمّت میں شامل ہو گیا ہے بڑا اس کا مقدّر رحمۃٌ للعالمینؐ

آج اُمّت ہو رہی ہے ہر طرف خوار و ذلیل آپؐ کی سُنّت سے ہٹ کر رحمۃٌ للعالمینؐ

اب تو پہچانا بھی جا سکتا نہیں اُمّت کا فرد ہے مؤنّث یا مُذکّر رحمۃٌ للعالمینؐ

اک نظر رحمت کی ہو جائے ہمارے حال پر ہیں بہت بدحال و ابتر رحمۃٌ للعالمینؐ

کاش پھر سرور کرے اظہارِ حالِ واقعی

روضۂ انور پہ جا کر رحمۃٌ للعالمینؐ

سرور میواتی لاہور

مولانا نعیم الدین صاحب

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

دنیا کا سدا سے یہ دستور ہے کہ یہاں جو آتا ہے جانے ہی کے لیے آتا ہے، چنانچہ روز آنے والے آرہے ہیں اور جانے والے جارہے ہیں، لیکن کچھ جانے والے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیچھے بہت سی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ انہیں افراد میں سے ایک محترم جناب سیّد اشرف علی زیدی صاحب بھی ہیں جو ۳۰ ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ / ۲۸ اگست ۱۹۹۵ء بروز پیر مغرب کی نماز سے قبل اس دنیا سے چلے گئے اور اپنی بہت سی یادیں دلوں میں چھوڑ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی شرافتوں اور سعادتوں سے نوازا تھا۔ آپ حسینی سیّد ہیں۔ آپ کے سلسلۂ نسب میں کبار مشائخ کا نام آتا ہے۔ حضرت خواجہ سیّد محمد حسینی گیسو دراز رحمہ اللہ آپ کے چودھویں جد امجد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو اولاد عطا فرمائی ان میں حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

آپ کا شمار اس دور کے ممتاز خوشنویسوں اور اساتذۂ فن میں ہوتا ہے۔ آپ نے یہ فن اپنے تایا زاد بھائیوں حکیم سیّد محمد عالم شاہ صاحب اور سیّد نیک عالم شاہ صاحب سے سیکھا تھا اور اسی کو آپ نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ قرآن پاک کی کتابت سے خاص شغف تھا۔ ستّر[1] قرآن پاک اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔

قیام پاکستان سے پہلے کی بات ہے کہ لاہور میں چند اداروں نے مل کر پبلشرز یونائیٹڈ کے نام سے ایک

---

[1] آپ اسم بامسمّٰی تھے اپنے دور کے زود نویس اور مشاق خطاطین میں شمار ہوتے تھے۔ النسٹھ قرآن پاک اپنے ہاتھ سے لکھے تھے جن میں سے ایک قرآن پاک صرف ۲۶ دن میں لکھا تھا جو قرآن کا اعجاز اور آپ کی کرامت ہے۔

اشاعتی ادارہ قائم کیا تھا۔ انہوں نے قرآنِ پاک کی طباعت کا پروگرام بنایا تو وقت کے ماہر خوشنویس حضرات سے قرآن پاک کے متن اور ترجمے کے نمونے طلب کیے۔ آپ نے بھی اپنا نمونہ پیش فرمایا۔ خدا کی شان کہ آپ کا نمونہ عربی خط کے لیے منتخب کیا گیا اور اردو ترجمہ کے لیے جناب الماس مرحوم کا نمونہ منتخب ہوا۔ ہمارے ہمارے حضرت بانئ جامعہ (رحمہ اللہ) نے بھی آپ سے ایک قرآنِ پاک بڑے ذوق و شوق سے لکھوایا تھا۔ حضرت کا ارادہ تھا کہ ایک قرآن پاک اس طرح چھاپا جائے کہ عربی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تفسیر ہو اور تفسیر کے ساتھ نیچے حلِّ لغات کا اضافہ ہو۔ یہ اضافہ آپ خود فرمانا چاہتے تھے، لیکن مصروفیات کی وجہ سے آپ کو اس کا موقع نہیں مل سکا، تاہم وہ قرآن پاک بہترین کتابت کے ساتھ محفوظ ہے جو اب نوادرات میں شامل ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ تقریباً نوّے بانوے سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔ آپ کی صحت قابلِ رشک، آپ کا عزم پختہ اور ہمت جوان تھی۔ ضعف و کمزوری کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتے تھے۔ اس پر یہ خوبی مستزاد تھی کہ اس پیرانہ سالی کے باوجود مزاج میں کسی قسم کا چڑچڑا پن نہیں تھا، بلکہ طبیعت میں ظرافت اور خوش مزاجی تھی۔

آپ اکثر اردو بازار تشریف لایا کرتے تھے۔ بسا اوقات راقم الحروف پر شفقت فرماتے ہوئے مکتبہ پر بھی قدم رنجہ فرماتے، چائے کا دور چلتا اور آپ گھنٹوں خوش مزاجی کے ساتھ زندگی کے واقعات سناتے اور ہم جیسے کم ہمتوں کی ہمت بندھاتے۔

آپ کا تعلق حضرت شاہ عبد القادر رائپوری رحمہ اللہ سے تھا اسی تعلق کی برکت تھی کہ آپ میں مذہبی حمیت و غیرت، اصابتِ رائے اور دین میں پختگی کمال درجے کی پیدا ہوگئی تھی۔ آپکی مذہبی حمیت و غیرت کے بہت سے واقعات ہیں جن کے بیان کے لیے ایک مستقل دفتر درکار ہے۔ ذیل میں دو ایک واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) فیصل آباد میں ایک مشہور مقام ہے "غلام محمد آباد" آپ کی وہیں رہائش تھی۔ قریب میں کوئی مسجد نہ تھی۔ ایک خالی جگہ جو کارپوریشن نے مسجد کے لیے چھوڑی ہوئی تھی اس جگہ آپ نے چند احباب کے ساتھ مل کر نماز باجماعت شروع کر دی، کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال ہوا کہ اس جگہ مسجد بننی چاہیئے۔ اس کا آپ

نے اپنے دوست احباب سے تذکرہ کیا تو سب نے آمادگی ظاہر کی۔ سنگِ بنیاد رکھنے کی تیاری کی گئی اور تاریخ طے کردی گئی۔ اس خالی جگہ کے سامنے ایک متعصب رافضی رہا کرتا تھا جو وکیل بھی تھا وہ مسجد بنانے کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے لگا۔ اس نے ایک درخواست لکھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یہاں مسجد نہیں بننی چاہیے۔ بعض سادہ لوح مسلمانوں سے اس پر تائیدی دستخط بھی کروا لیے اور اس مقام پر اچھا خاصا اشتعال پیدا کر دیا۔ اس نے اعلان کیا کہ اگر کوئی یہاں مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے آیا تو گولیاں چل جائیں گی۔ آپ نے فرمایا میں ضرور اس کا سنگِ بنیاد رکھوں گا، چنانچہ اس شخص کی دھمکیوں کی پروا کیے بغیر بندوقوں کے سایہ میں تن تنہا جاکر مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آج محمدی مسجد کے نام سے خوبصورت جامع مسجد آپ کی یادگار مسلکِ حق کی اشاعت کا مرکز اور آپ کے لیے بہترین صدقۂ جاریہ ہے۔

(۲) ایک دفعہ آپ اپنے محلے میں کہیں جارہے تھے کہ ایک غالی قسم کے رافضی کے گھر کے سامنے سے آپ کا گزر ہوا۔ اس رافضی کے گھر کے باہر کتا تھا اس نے بھونکنا شروع کر دیا۔ وہ رافضی یہ دیکھنے کے لیے کہ میرا کتا کس پر بھونک رہا ہے باہر آیا اور ظالم بدھن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر دُر دُر کرنے لگا۔ آپ کی مذہبی غیرت بھڑک اٹھی اور آپ اس سے الجھ پڑے اسے مارا بات بڑھ گئی اور اشتعال پھیل گیا۔ آپ گھر تشریف لے گئے اور اپنی بندوق لانے لگے کہ اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑنا۔ لوگوں کو پتہ چلا تو مشکل سے بیچ بچاؤ کرایا اور اس شخص سے معافی منگوائی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

اس واقعہ سے جہاں آپ کی مذہبی غیرت کا پتہ چلتا ہے وہیں اصابتِ رائے کا بھی صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

آپ لاہور میں اپنے سب سے چھوٹے صاحبزادے سید سرور حسین صاحب کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

وفات سے تقریباً ڈھائی ماہ پیشتر فجر کی نماز کے لیے اٹھے تو پھسل کر گر گئے جس کی وجہ سے گھٹنے میں سخت چوٹ آئی جس نے آپ کو صاحبِ فراش بنا دیا۔ حضرت شاہ صاحب آپ کو اپنے گھر لے آئے اس وقت سے لے کر وفات تک آپ حضرت شاہ صاحب کے گھر ہی رہے علاج ہوتا رہا وفات سے ایک روز قبل مغرب سے پہلے حضرت شاہ صاحب سے فرمایا "مبارک ہو" شاہ صاحب

بقیہ بر ص ۳۴

یاد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ

دلِ زخم زخم لوگو! کوئی ہے، جسے دِکھائیں
کوئی ہم نفَس نہیں ہے، غمِ جاں کِسے سُنائیں

یکایک جو چھا گئی ہیں، غم و درد کی گھٹائیں
گیا کون اِس جہاں سے کہ بدل گئیں فضائیں

اُٹھا سائبانِ شفقت، بڑی تیز دُھوپ دیکھی
نہیں دُور دُور چھاؤں، کہاں اپنا سَر چُھپائیں

وہ زندگی کی مُونِس، اُنھی مُحسنوں کی یادیں!
شبِ زِیست کے ستارے، وہ خُلوص کی دُعائیں

وہ رِفاقتوں کی راتیں، وہ ہر اِک سے دِل کی باتیں
گئے دَور کے وہ قِصّے، ہمیں یاد کیوں نہ آئیں

وہ شُجاعتوں کے پالے، بڑے صَبر و شُکر والے
وہی حوصلے حُسینیؓ، وہی زیدؓ کی اَدائیں

وہ خوش نصیبؔ قُرآں کی حَسین حَسین نگارش
زہے وہ صَریرِ خامہ، کہ مَلَک بھی جُھوم جائیں

دمِ مرگ تھی تسلّی، سرِ قبر ہے تجلّی
ہوں مدام عنبر افشاں، یہاں خُلد کی ہوائیں

ہو نصیب جامِ کوثر، یہ نفیسؔ کی دُعا ہے
مگر اِک حَسین تمنّا کہ حضورؐ خود پلائیں

صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم

نفیس الحسینی
ربیع الثانی
۱۴۱۶ھ

تقریر، مدراس
مورخہ......

(قسط:۲)

ادارہ انوارِ مدینہ کی جانب سے رسالہ میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی تقاریر شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ کے متوسلین و خدام سے اپیل ہے کہ اگر ان کے پاس حضرت کی تقاریر ہوں تو ادارہ کو ارسال فرما کر عند الناس مشکور اور عند اللہ ماجور ہوں۔ (ادارہ)

بیعت کی شرعی حیثیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ

حضرت حنظلہ رضؓ کا واقعہ

حضرت[1] حنظلہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں کئی روز حاضر نہیں ہوئے ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادت تھی کہ اپنے لوگوں کو خاص طور پر یاد رکھتے تھے ، ایک وقت نہیں آئے دو وقت نہیں آئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے پوچھا کہ مَا فَعَلَ حَنْظَلَۃ۔ حنظلہ کا کیا حال ہے ؟ لوگوں کو کچھ معلوم نہیں۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ابھی خبر لاتا ہوں ، گئے ، گھر میں پوچھا گھر والوں سے کہ حنظلہ رضؓ کہاں ہیں ؟ بیوی نے جواب دیا کہ وہ کوٹھڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں ، اُنھوں نے پوچھا کہ خیریت سے تو ہیں ، کہا خیریت سے تو ہیں مگر سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے ، جاکر دیکھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں تو اُنھوں نے جاکر کے پوچھا کہ بھائی کیا حال ہے ؟ تو اُنھوں نے بتلایا کہ نَافَقَ حَنْظَلَۃُ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔

---

[1] اس سے مراد حضرت حنظلہ بن رُبَیعؓ رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضوری اور غیبت میں فرق

کہا کیا بات ہے، کیسے منافق ہوگئے؟ کہا کہ ہم جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آخرت کا، جنّت کا، دوزخ کا، قیامت کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے جنّت موجود ہے دوزخ موجود ہے، آخرت کی چیزیں موجود ہیں۔ ہمارا دل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہاں سے جب آتے ہیں، گھر میں آتے تو بال بچّوں سے بیوی سے ان لوگوں سے میل جول ہُوا تو وہ حالت جاتی رہتی ہے۔ یہ تو نفاق ہے۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ حالت تو میری بھی ہے۔ وہ بھی رونے لگے۔ تھوڑی دیر تک دونوں روتے رہے اس کے بعد حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے لیے تمام باتوں کا حل کرنے والا ہمارے آقا حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ چلو یہاں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا، رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا، چلو آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے اپنی حالت عرض کریں، اُن کی سمجھ میں آئی، دونوں حاضر ہُوئے۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے تمام حالت عرض کی تو آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تم جیسے کہ میری حضوری میں ہوتے ہو، میری مجلس میں ہوتے ہو، اگر اسی طرح تم ہر وقت میں رہو تو تمہارے بستروں پر فرشتے آکر تم سے مصافحہ کیا کریں، دونوں حالت علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں، میری موجودگی میں، میری مجلس میں تمہاری اور حالت ہے اور مجھ سے جُدا ہونے کے بعد تمہاری اور حالت ہے، جیسے سورج کے سامنے جو چیز آئے گی وہ چمک دار ہوجائے گی اس پر روشنی پڑجائے گی، اس پر دھوپ اور نور آجائے گا اور جہاں علیحدہ ہوئے تو وہ روشنی جاتی رہی۔ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں جو بھی آنے والے تھے سچائی کے ساتھ ان کے دلوں کی میل کچیل، غفلت، دنیا پرستی، نفس پرستی جاتی رہتی تھی۔ جہاں مجلس سے علیحدہ ہوئے تو اس میں کمی ہوجاتی تھی۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چار بڑے کام

مگر آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ چار بڑے بڑے کام آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام انجام دیا کرتے تھے، اس امر کو (تین یا) چار جگہ قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے ایک تو یہ کہ قرآن کی آیتیں جو اُترتی ہیں، وہ سُناتے رہتے ہیں، اور دوسرے یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سکھلاتے ہیں، معانی بتلاتے ہیں (اور تیسرے) وَالۡحِكۡمَةَ حکمت کی باتیں بتلاتے ہیں یہ حکم کیوں ہُوا۔ اس حکم میں کیا مصلحت ہے؟

اس حکم سے کیا کیا نتیجے پیدا ہوں گے ؟ یہ حکمت کی باتیں آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سکھلاتے تھے ،
وَیُزَکِّیْہِمْ چوتھا کام یہ تھا کہ ان کی مَیل اور کچیل کو دُور کرتے تھے۔ تزکیہ کرتے تھے ، پاک اور
صاف کرتے تھے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحبت کا اثر

دلوں پر ، رُوح کے اُوپر۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روحانی اور قلبی طاقت کا اثر ایسا پڑتا تھا کہ دلوں کی
مَیل کُچیل ، غیر اللہ کی محبّت ، دُنیا کی محبّت اور ہر قسم کی بُرائی جاتی تھی ، کسی کو کم کسی کو زیادہ ، مگر آقائے نامدار
علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صُحبت کا یہ اثر تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ
صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منوّرہ میں داخل ہُوئے تو ہر چیز ہم کو روشن نظر آتی تھی۔ یہاں تک معلوم ہوتا تھا
کہ دیواریں بھی روشن ہوگئیں اور جب تک آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رہے ، یہی ہر چیز میں
روشنی معلوم ہوتی تھی ، اور فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دفن کرنے کے بعد ہم نے ابھی
تک مٹی اپنے ہاتھوں سے جھاڑی نہیں تھی کہ ہم نے اپنے دِلوں کو اوپرا دیکھا۔

قال لما کان الیوم الّذی دخل فیہ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم المدینۃ
اَضَاءَ منھا کل شئ فلمّا کان الیوم الّذی مات فیہ اظلم منھا کل شئ و
ما لفقنا ایدینا عن التراب و انا لفی دفنہ حتّٰی انکرنا قلوبنا۔

حضوؐر کے زمانہ میں حصولِ احسان کا طریقہ

(تو) آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تو ایک رُوحانیت کے آفتاب تھے جو بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہُوا اُس کے
دِل کی حالت اور ہوگئی اور اسی وجہ سے تمام اہلِ سُنّت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ صحابی چاہے آپ کی
خدمت میں چند منٹ ہی رہا ہو جو اسلام کے ساتھ آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ میں حاضر ہُوا
وہ بعد کے آنے والے بڑے سے بڑے ولی سے ، بڑے سے بڑے متقی سے ، بڑے سے بڑے پرہیز گار سے
افضل اور اعلیٰ ہے ، کوئی بعد کا آنے والا ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا ، متفق علیہ مسئلہ ہے کیونکہ
جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ تر قُوّت رکھنے والی تھی ، دِلوں کو ، دماغ

کو روشن کرنے والی تھی، اِس واسطے اُس وقت میں بڑی بڑی ریاضتوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بس ضرورت اس بات کی تھی کہ آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ حاضر ہوجائے مگر جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آپ کی جُدائی کے بعد وہ طاقت باقی نہ رہی اگرچہ زمانہ ہے صحابہ کرام کا اور اُن لوگوں نے روشنی روحانی آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے حاصل کی ہے۔

حضورؐ کے زمانہ کے بعد حصولِ احسان کا طریقہ

مگر آپؐ کے اوجھل ہوجانے کی وجہ سے اُن کی قوّتوں سے کمی ہوتی گئی۔ اِسی طرح جتنا بھی زمانہ دُور ہوتا گیا، اُسی قدر رُوحانی اور قلبی روشنی کے اندر، صفائی کے اندر کمی ہوتی گئی تو جس طرح سے برتن کے صاف کرنے میں مانجنے میں اگر اُس کے اُوپر میل کُچیل کچھ کم ہو تو معمولی طور سے مانجنے سے وہ زنگ دُور ہوتا ہے اور زیادہ ہو تو پھر ریتے سے مانجنے سے اور مختلف طریقوں سے مانجا جاتا ہے تب جاکر کے صاف ہوتا ہے تو وہی احسان حاصل کرنا تصوّف کا مقصد ہے۔

تصوّف کا مقصد

تصوّف سے کوئی نئی چیز حاصل کرنا مقصد نہیں ہے جس چیز کو حضرت جبریل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہی مقصد ہے مگر زمانے کے دُور ہونے کی وجہ سے، دُنیاوی لذائذ کی طرف طبیعتوں کے مائل ہونے کی وجہ سے زیادہ مانجنے کی ضرورت پڑی اس واسطے جو بڑے تجربہ کار تصوّف میں تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شبلی اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہما جو بڑے بڑے لوگ تھے امام ہیں تصوّف کے، ان لوگوں نے اپنے تجربہ سے ذکر کرنے میں، ریاضت کرنے میں، مجاہدے کرنے میں جو چیزیں نکالیں، ان کو بعضے لوگ اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں، جو ذکر نقشبندیہ طریقہ میں، قادریہ طریقہ میں اور دوسرے طریقوں میں ذکر کرنے کے اُصول ذکر کیے گئے ہیں، اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں نہ بارہ تسبیح، نہ پاسِ انفاس، نہ ذکر "اللہ" نہ اور کسی قسم کے جتنے اذکار اور مراقبے تعلیم کیے جاتے ہیں اِن طریقوں میں، یہ تو اُس میں آتے نہیں کسی حدیث میں اُن کا تذکرہ نہیں ہے تو یہ بدعت ہوئی، یہ شُبہ لوگوں کو پڑتا ہے اور اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں، مگر یہ غلط چیز ہے۔

زمانے کے بدلنے سے مقصود حاصل کرنے کے لیے وسائل کا بدلنا بدعت نہیں ہے

آلاتِ جہاد کی مثال

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاد کے لیے تلواروں کا، تیر اور کمان کا، نیزوں کا تذکرہ آتا ہے۔ آپؐ کے زمانے میں بندوقوں کا، توپوں کا، مشین گنوں کا، ہوائی جہازوں کا، گرینیڈ کا، سرنگوں کا، بم کا اور آتشیں بم کا، ان چیزوں کا کوئی تذکرہ نہیں، آج اگر مسلمانوں کو شرعی جہاد کرنے کی نوبت آئے اور آتی رہی ہے، تو کیا آج آپ یہی کہیں گے کہ فقط تلوار سے جنگ کرنی چاہیے، جہاد فقط تلوار سے، فقط نیزے سے، فقط اُس تیر اور کمان سے جو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانے میں تھا اسی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا کروگے تو دُشمن اپنی مشین گنوں سے اور توپوں سے دُور ہی سے ہم کو فنا کر دے گا۔ جیسے وہ ہتھیار مہیّا کرتا ہے ہم کو ویسے ہی ہتھیار مقابلہ کے واسطے تیار کرنے چاہییں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔ جو تم سے قوّت ہو سکے دُشمنوں کے مقابلہ کے واسطے تیّار کرو تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ تو مقصود یہ ہے کہ جس قسم کی ضرورت پڑے اعلائے کلمۃ اللہ اصلی مقصود جہاد سے ہے دین کے کلمہ کو بلند کرنا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ تو جیسی ضرورت پڑے جس سے تم دُشمن کو شکست دے سکو اس کو ہتھیار کے طور پر تیّار کرو اور مقابلہ کرو، تو اسی طرح سے جس زمانہ میں آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام موجود تھے آپ کا زمانہ قریب تھا اُس وقت میں تھوڑا سا ذکر کرنا تھوڑی ریاضت کرنی کافی ہوتی ہے۔ جب ہم دُور پہنچ گئے تو زنگ آلودہ زیادہ تر دِل ہو گئے، اس کے واسطے بڑی بڑی ریاضتیں، چلّہ کھینچنا، دن رات ذکر کرنا پاسِ انفاس کرنا، ذکرِ قلبی کرنا اور زیادہ اس میں کوشش کرنا ضروری ہوگیا، مقصود ایک ہی ہے مگر ضرورت کی حیثیّت سے زمانہ کی حیثیّت سے، ماحول کی حیثیت سے صفائی اور احسان کے حاصل کرنے میں طریقہ دوسرا ہے۔

قرآن پاک پر حرکات کی مثال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن شریف پر زیر و زبر نہیں لگایا ہوا تھا۔ آپ نے لکھوایا علیحدہ علیحدہ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب کو جمع کر دیا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے سب کو ترتیب دے دیا، مگر ترتیب دینے کے بعد زیر زبر کوئی نہیں لگا ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ ان کی عربی زبان تھی۔ بغیر زیر زبر کے صحیح قرآن پڑھتے تھے۔ جیسے ہم آج بغیر زیر زبر کے دیئے ہوئے اُردو کی عبادت

ہمارے پاس آتی ہے تو صفحوں کے صفحے صحیح پڑھ جاتے ہیں کوئی غلطی نہیں ہوتی، مگر آج اگر کسی بنگالی سے اور برمی سے، انڈونیشیا والے سے یہ کہا جائے کہ اردو کی عبارت صحیح طرح پر پڑھو تو وہ نہیں ادا کر سکتا۔ اس لیئے وہ ناواقف ہے، تو اسی طرح اگر آج ہم اگر قرآن میں زیر زبر نہ لگا ہو، اگر نقطے نہ لگے ہوں تو ہم بغیر اس کے پڑھ نہیں سکتے، صحیح نہ پڑھ سکیں گے، تو حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے جو جمع کیا قرآن، اس پر نہ زیر ہے نہ زبر ہے، نہ پیش ہے نہ جزم ہے، نہ ب کے نیچے ایک نقطہ ہے نہ ی کے نیچے دو نقطے ہیں، نہ ت کے اوپر دو نقطے ہیں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے اور وہ سب صحیح پڑھتے تھے، مگر تھوڑے ہی زمانے کے بعد جب لوگوں کا میل جول باہر والوں کے ساتھ ہوا تو ضرورت سمجھی گئی زیر زبر لگانے کی۔ تشدید کے لگانے کی، جزم کے لگانے کی، نقطے کے دینے کی۔ اگر کوئی بیوقوف یہ کہے کہ زیر زبر لگانا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں نہیں پایا گیا تو اس کو بجز اس کے یہ کہا جائے کہ احمق ہے اور کچھ نہیں، وہ تو بنا پر ہے کہ ہم کو حکم ہے قرآن کی تلاوت کرنے کا، اس کے معنی سمجھنے کا، مگر تلاوت قرآن کی اس زمانے میں بغیر زیر زبر کے ہوتی تھی، آج تلاوت قرآن کی ہم تو ہم آج مدینہ کا رہنے والا، مکّے کا رہنے والا جس کی مادری زبان عربی ہے صحیح قرآن بغیر زیر زبر بغیر نقطوں کے نہیں پڑھ سکتا ہے۔ جس طرح ہم محتاج ہیں علمِ نحو کے، علمِ صرف کے، علمِ لغت کے، آج عرب بھی محتاج ہیں اس کے۔ تو بھائی زمانہ کی حیثیّت سے احوال بدلتے رہتے ہیں، مگر ایسے احوال جو کہ مقصود کے بدلنے والے نہ ہوں ایسے احوال کو سنّت ہی کہا جائیگا۔

کھانا پکانے کی مثال

اگر آپ نے کسی کو روٹی پکانے کے لیے مقرر کیا تو اب روٹی پکانا اس کا حکم دینے سے یہ معنی ہوں گے کہ تو آگ بھی جلا، لکڑی بھی لا، چولہا بھی لا، توا بھی لا، سب چیزوں کو مہیا کر، اگر کسی جگہ لکڑی نہیں ملے، لوہا ہو پتھر کے کوئلے، کسی جگہ یہ نہیں ملے تو اُپلوں کو استعمال کیا جائے گا۔ غرض یہ کہ جس چیز کے اُوپر روٹی پکانا موقوف ہو اسی کا امر ہو گا۔ تو اسی طرح سے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احسان کے حاصل کرنے کے لیے زنگ کم ہونے کی وجہ سے ان اذکار کی ضرورت نہیں تھی۔ آج ہم کو ہمارے تجربہ کار مرشدوں نے بتلایا کہ اس طرح سے کرو، اب آپ کہیں کہ اس طرح کا ذکر کرنا بدعت ہے یہ غلط فہمی ہے۔

ذکر اللہ کا حکم قرآن میں

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا قرآن میں، ایک جگہ نہیں، دو جگہ نہیں، ذکر کرنے کی بڑی تاکید فرمائی: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ ط حکم دیا گیا کہ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور کروٹوں پر۔ اپنے کروٹیں لیتے ہوئے، کوئی حد نہیں، قید نہیں لگائی گئی۔ ذکر کرو لفظ اللہ کا یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا یا سُبْحَانَ اللّٰہِ کا ضرب کے ساتھ کرو یا بلا ضرب کرو۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا

اے ایمان والو اللہ کا بہت ذکر کرو۔

فرمایا جاتا ہے: فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ۔ تم میرا ذکر کرو میں تم کو ذکر کروں گا۔ تم کو یاد کروں گا تم مجھ کو یاد کرو، تو کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ کس طرح سے ذکر کیا جائے مطلقًا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اگر ہم نے، ہمارے بڑوں نے، تجربہ کار لوگوں نے یہ کہا کہ ذکر کرو سانس کے ساتھ ذکر کرو۔ دل میں دل کے ساتھ ذکر کرو، روح کا ذکر، سِر کا ذکر، خفی ذکر تو یہ کوئی چیز بھی بدعت نہیں ہوگی، کیونکہ مطلقًا جیسے حکم دیا گیا تھا جہاد کرنے کا کہ دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے، اسلام کی ہیبت کو بٹھلانے کے واسطے جہاد کرو۔ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ چاہے تلوار سے ہو، چاہے تیر سے ہو، چاہے توپوں سے ہو، چاہے مشین گن سے ہو۔ جس طریقہ سے تم اس بات کو انجام دے سکو، جیسے کہ ہم کو قرآن کی تلاوت کا حکم دیا گیا۔ چاہے زیر زبر سے ہو یا اس کے طبع کرنے سے، چھاپنے سے، لکھنے سے، عکسی قرآن بنانے سے، یہ جتنی چیزیں ہیں سب کی سب حکم ہی کے اندر آتی ہیں۔

سفرِ حج کی مثال

ہم کو حکم دیا گیا حج کرنے کا۔ حج کرنے کے لیے پہلے زمانہ میں اونٹوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ آج ہم کو موٹروں سے نہیں، بلکہ جہازوں سے سفر کرنا پڑتا ہے وہاں جا کر کے موٹروں سے، لاریوں سے، بسوں سے سفر کرنا پڑتا ہے، تو اب اگر کوئی بیوقوف شخص کہتا ہے کہ ہم تو ہندوستان سے حج کے لیے جائیں گے اونٹ ہی کے اُوپر سوار ہو کر، تو بتلائیے کہ حج کو ہم ادا کر سکیں گے؟ ہمیں جدّہ پہنچنے کے بعد اسی طرح سے لاریوں کے بغیر، موٹروں کے بغیر جانا مشکل ہے۔ بسا اوقات

ممکن نہیں، تو چونکہ مقصد ہے بیت اللہ کی حاضری جس طرح پر ممکن وہاں پر حاضر ہونا، یہی فرض ہوگا، کوئی چیز بدعت نہیں قرار دی جائے گی۔

مقصد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، حکم دیا گیا تھا، مقصد میں کوئی تغیر نہیں ہے۔ زمانہ کی ضرورتوں کی حیثیت سے وسیلوں میں فرق پڑگیا، ذریعوں میں فرق پڑ گیا، تو میرے بزرگو! آج یہ کہنا کہ سلوک میں تصوّف کے اندر جو باتیں صحیح ذکر کی گئی ہیں وہ بدعت ہیں، یہ غلط ہے۔ وہ سب کی سب مامور بہ ہیں وہ حکم ہے، تو اصلی مقصد تصوّف کے اندر احسان کو حاصل کرنا ہے۔ احسان کو حاصل کرنے کے لیے جو طریقے خلافِ شریعت نہیں ہیں جب عمل میں لائے جائیں گے تو وہی شریعت کا حکم ہوگا۔

غیر شرعی اسباب اختیار کرنے کی ممانعت

ہاں اگر کوئی طریقہ ایسا کرتا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ کو تو اللہ تک پہنچنے کے واسطے قوالی چاہیئے، ڈھول چاہیئے، مجرا چاہیئے، ڈوم گانے والے چاہیئں۔ یہ چیزیں ایسی وہ اختیار کرتا ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے ان چیزوں کی ممانعت کی ہے، تو جو چیزیں ممانعت کی نہیں ہیں وہ تو اصلی سُنّت میں داخل ہیں۔ اب بیعت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ خلافِ شریعت ہے، بالکل غلط چیز ہے۔ بیعت میں جیسا کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔ کیوں اس لیے کہ وسیلہ اسی چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ سے کوئی کامیابی ہو سکے، جو شخص واقف ہے کسی راستے کا اس کو ساتھ لینا سفر کرنے کے لیے ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ ہجرت

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کرتے ہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو تو عبداللہ ابن اریقط اللیثی جو کہ کافر تھا، مگر راستہ سے واقف تھا اس کو ساتھ لیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے سے دو سانڈنیاں دو اونٹنیاں جو نہایت مضبوط تھیں پہلے سے خرید لیں۔ عبداللہ ابن اریقط جو کہ راستہ کا بڑا ماہر تھا اس کے پاس رکھا اور کہا کہ ان اونٹنیوں کو اچھے سے اچھا چارہ کھلاؤ اور ہم کو جب ضرورت ہوگی اپنے سفر کے واسطے ان اونٹنیوں کو لیں گے اور تجھ کو ساتھ لے کر کے سفر کریں گے۔ اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنے کے لیے رہبر کی،

راہ نمائی، راہ دکھلانے والے کی ضرورت پڑی۔ بغیر راہ دکھلانے والے کے دُنیا کا سفر اور اپنے ہی ملک کا سفر ممکن نہ ہوا، تو اس واسطے وہی وسیلہ جس کو یہاں فرمایا گیا" وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ جس سے تم وسیلہ، توسّل کر سکو اس کے ذریعے سے کامیاب ہو سکو اس کی تلاش کرو۔

مرشد راستہ سے واقف اور تجربہ کار ہو

مُرشد کو مرشد اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ راستہ دکھلانے والا ہے۔ ارشاد کرنے والا ہے، مگر ہر لنگڑے لولے کو مُرشد راستہ میں نہیں لیا جاتا راہنمائی کے واسطے، لیا جاتا ہے صحیح سالم، واقف کار، تجربہ کار کو، تو اس واسطے فرمایا گیا: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچّوں کے ساتھ رہو۔ ہاں بعضے لوگوں کو یہ شُبہ ہوتا ہے کہ بیعت کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ یہ شُبہ غلط ہے، بیعت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جاری کیا ہے اور وہ قرآن میں ہے، قرآن دلالت کرتا ہے۔

بیعت کے فوائد۔ حضرت سیّد احمد شہیدؒ کا فرمان

حضرت سیّد احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے جہاد کیا تھا انگریزوں کیخلاف، اُن کی کتاب ہے" صراطِ مستقیم" وہ بیعت کے فائدے بتلاتے ہوئے ذکر فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس برگزیدہ بندے کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت اور عزّت ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس شخص کی کفالت کرتی ہے، جو اسکے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی وجاہت کیوجہ سے بیعت کرنیوالے کی کفالت کرتی ہے اور دو طریقوں میں سے ایک طریقہ سے اسکی حفاظت کرتی ہے، اگر وہ شخص، وہ مرشد اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑی عزّت رکھتا ہے تو کبھی اسکو مطلع کر دیا جاتا ہے۔ اگر اس کا مرید کسی گمراہی کے اندر پھنس رہا ہے تو اللہ تعالیٰ پیر کو مطلع کر دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اس کو فلانی خرابی سے نکالو۔ وہ مرشد تدبیریں کر کے اس کو نکالتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خداوند کریم خود ہی اس کو، اس مرید کو خرابی سے نکالتا ہے اور کسی فرشتے کو حکم دیتا ہے یا کوئی روحانی چیز مقرّر کر دیتا ہے اور وہ چیز اس کی حفاظت کا باعث بنتی ہے، مگر مُرشد کی صورت میں آکر۔

حضرت یُوسُف علیہ السلام کا واقعہ

جیسے حضرت یُوسُف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہوا۔ حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا نے حضرت یُوسُف

علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو سات کوٹھڑیوں میں بند کرکے اور ان سے وصال چاہا۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسّلام پرہیز کرتے ہیں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ط اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔

حضرت زلیخاؓ کو کہتے ہیں کہ معاذ اللہ میں اپنے مالک کی نافرمانی کروں۔ اس کی بیوی پر ہاتھ ڈالوں، اس نے بہت بڑے بڑے میرے ساتھ احسان کیے ہیں۔ میں جاہل نہیں ہوسکتا، مگر اس نے پیچھا کیا اور اس قدر پیچھے پڑی کہ قریب تھا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام مبتلا ہوجائیں، فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ ج وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ ط کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْہُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ط اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ۔

تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے واسطے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو مقرر کیا۔ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سامنے سے حضرت یعقوب علیہ السّلام کی صورت میں آئے اور سامنے کھڑے ہوکر انگلی مُنہ میں دباتے ہیں اور اشارہ کرتے ہیں کہ خبردار! خبردار!! اس میں مبتلا مت ہونا۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر بھی نہیں، مگر یہاں یہ معاملہ ہوا۔ حضرت یوسُف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روک دیا گیا۔ بچا لیا گیا۔ تو حضرت سیّد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہید فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا، کسی گمراہی کے اندر پھنسنے والا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی لطیفہ سے، کسی روحانیت سے، کسی فرشتے کے ذریعہ سے حفاظت کی جاتی ہے، ایسا طریقہ کہ جو مُرشد کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔

سچّوں کا ساتھ

تو بیعت کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ قرآن میں کہا ہے: کونو مع الصادقین (سچّوں کے ساتھ رہو) آپ دیکھتے ہیں کہ کسی پارٹی میں جب آدمی داخل ہوجاتا ہے دُنیا میں تو پارٹی کے جتنے ممبر ہوتے ہیں ان سب کو اس کے ساتھ کچھ تعلّق ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ ہمدردی رکھتے ہیں، دُنیا میں جو کہ اصحاب خیر ہوں اُن کے یہاں بھی یہی طریقہ ہے اور آخرت والے خدا کے سچّے بندے جن کو دنیاوی غرض نہیں ان میں یہ بات بہت اُونچی ہے، تو اگر اللہ کے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر بیعت ہوتے، کسی صحیح طریقہ والے سے بیعت ہونے سے اس طریقہ کے جو مقدّس لوگ ہیں،

خواہ دُنیا میں ہوں، خواہ آخرت میں ہوں گذر چکے ہوں ان سبھوں کو ہمدردی ہو جاتی ہے اور وہ دُعائیں کرتے ہیں، اپنی ہمت سے خبر گیری کرتے ہیں۔

تو میرے بھائیو! نہ تو بیعت بدعت چیز ہے اور نہ طریقت بدعت چیز ہے نہ طریقت شریعت سے جدا ہے، شریعت کی خادم ہے طریقت، جو شریعت نے احسان کا حکم دیا تھا اس کی تکمیل کے واسطے بڑے بڑے مقدس بزرگوں نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے پہلے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں نے جن کے اندر ذرّہ برابر بھی خلافِ شریعت کوئی بات نہیں تھی انہوں نے وہ طریقے جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی تابعداری اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے وہ طریقے جاری کیے اور ان سے مقصد فقط خدا کی قربت حاصل کرنا، خدا کی رضا حاصل کرنا ہے کوئی چیز ذرہ برابر اس میں شریعت کے خلاف نہیں۔

بقیہ : اناللہ وانا الیہ راجعون

فرماتے ہیں مغرب کی اذان ہو رہی تھی میں نے عرض کیا کہیں نماز سے فارغ ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر آیا تو میں نے پوچھا کیا فرما رہے ہیں۔ فرمایا "مبارک ہو" میں نے عرض کیا کا ہے کی مبارک فرمایا "میرا علاج بالکل صحیح اور مکمل ہو گیا"۔ ۳۰ ربیع الاوّل کی صبح بہت جلد آنکھ کھل گئی۔ فرمانے لگے ٹائم ہو گیا میں نے فجر کی نماز پڑھنی ہے، حالانکہ ابھی تہجد کا ٹائم تھا۔ تھوڑی دیر بعد نماز پڑھ کر سو گئے۔ کمزوری حد درجہ بڑھ گئی۔ ظہر بعد ہسپتال لے جایا گیا، لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی وقتِ موعود آچکا تھا۔ آپ کا قلب پوری قوت کے ساتھ ذکرِ اسم ذات میں مشغول تھا اسی مشغولیت کے عالم میں مغرب سے کچھ لمحے پہلے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اگلے دن صبح جامعہ مدنیہ میں آپ کی نمازِ جنازہ ہوئی اور قبرستان میانی صاحب میں اہلیہ محترمہ کی قبر کے ساتھ آپ کی تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آپ کے درجے بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

عالمِ اسلام کے نامور قاضی

حضرت قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبد الحفیظ صاحب ، فاضل جامعہ مدنیہ لاہور

۲۷ مئی ۱۹۹۵ء کے نوائے وقت کا مطالعہ کر رہا تھا کہ آخری صفحہ کی ایک خبر پر نظریں آکر رُک گئیں۔ خبر کا عنوان تھا " لعنت بر قاضی شریح کانفرنس ۲۹ مئی کو ہونے والی کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ چیف جسٹس کو بھیج دیا گیا " اس عنوان کے تحت تفصیل یوں درج تھی ؛

" مسلم لیگ لاہور کے جنرل سیکرٹری پرویز رشید نے چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ محمد الیاس کو " لعنت بر قاضی شریح " کانفرنس میں صدارت کے لیے دعوت دی ہے۔ ان کے نام لکھے جانے والے ایک مکتوب میں کہا گیا ہے کہ تاریخ انسانی کے سیاہ کرداروں میں سے قاضی شریح کے قابلِ نفرین کردار سے کوئی واقف نہ ہوگا جس نے یزید سے اشرفیوں ___ بھری تھیلی قبول کر کے محافظِ جنت حضرت امام حسینؓ کے فتویٰ قتل پر مہر ثبت کر دی۔ کانفرنس ۲۹ مئی کو منعقد ہوگی "۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۷ مئی ۹۵ء صفحہ آخر کالم ۱، ۲)

یہ خبر پڑھ کر کہ عظیم محدث ، جلیل القدر تابعی ، عالمِ اسلام کے مایۂ ناز قاضی جن کے علم و فضل، زہد و تقویٰ ، ذکاوت و ذہانت ، تدبر و فراست ، عدل و انصاف پر امیر المومنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسا شخص اعتماد کرتے ہوئے انہیں منصبِ قضا پر فائز فرمائے اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسا مدبر ان کی فقاہت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کو عہدۂ قضا پر بحال رکھے ایسے برگزیدہ شخص پر ہمارے معاشرے میں علانیہ لعنت کی جا رہی ہے اور انہیں

تاریخ کے سیاہ کرداروں میں شمار کیا جا رہا ہے، بڑی حیرت ہوئی اور ساتھ ہی افسوس بھی ہوا کہ ایک ایسی شخصیّت جس کی پوری زندگی مِلّتِ اسلامیہ کے لیے مشعلِ راہ اور مینارۂ نُور ہو جسنے اپنے عہدۂ قضا کے دوران ہمیشہ مظلوموں کا ساتھ دیا ہو۔ اہلِ حق کو ان کا حق دلوایا ہو، خواہ فریقِ مخالف وقت کا حاکم ہی کیوں نہ ہو یا اپنے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اس کے بارے میں ایسی کانفرنس کی جا رہی ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے ملک میں۔ قاضی شریح کی شخصیّت تو ایسی غیر متنازع شخصیّت ہے کہ ان پر اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیع دونوں کا اتفاق ہے، پھر ایسی کانفرنس کا ہونا ایک المیّہ سے کم نہیں۔

اسی پریشانی میں تھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک یاد آگئی جسمیں آپؐ نے پہلے سے پیشین گوئی فرما دی تھی کہ امّت کا آخری طبقہ اُمّت کے پہلے طبقہ پر لعنت کرے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا لَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَمَنْ كَتَمَ حَدِيْثًا فَقَدْ كَتَمَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ"[1] جب اس اُمّت کا آخری طبقہ اپنے پہلے طبقہ والوں پر لعنت کرے تو پھر جس شخص نے (اسلاف کے فضائل اور ان پر لعنت کی حرمت کے متعلق آنے والی) حدیث کو چھپایا تو گویا اس نے اللہ کے دین کو چھپایا۔

اس لیے احقر نے ضروری خیال کیا کہ قاضی شریح رحمہ اللہ کے کچھ حالات لکھے جائیں تا کہ عام مسلمانوں کو اصل صورتِ حال کا علم ہو اور وہ دشمنانِ اسلام کے مکروہ پروپیگنڈہ سے محفوظ رہ سکیں۔

نام و نسب آپ کا نام شریح اور کنیّت ابو امیّہ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے "شریح بن حارث بن قیس بن جہم بن معاویہ بن عامر بن رائیس بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن معاویہ بن کندہ الکندی" اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ کندی کی نسبت لگائی جاتی ہے[2]

آپ عہدِ رسالت ہی میں ایمان کی دولت سے مشرف ہو چکے تھے، مگر شرفِ صحابیّت

---

[1] ابن ماجہ باب ۲۴ ص ۵ [2] تہذیب الاسماء واللغات ج اوّل ص ۲۴۳

سے مشرف نہیں ہو سکے۔ بعض مؤرخین نے آپ کی صحابیت کو بھی تسلیم کیا ہے، لیکن صحیح قول یہی ہے کہ آپ کو عہدِ رسالت میں ایمان لانے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہو سکا۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے[1]

تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے اور آپ تاریخِ اسلام کے قابلِ فخر قاضیوں میں سے ہیں۔

آپ یمن کے رہنے والے تھے۔ بعض مؤرخین کا یہ قول بھی ہے کہ آپ اصلاً عجمی ہیں، بعد ازاں آپ کا قبیلہ یمن میں آکر آباد ہو گیا۔ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آپ یمن سے مدینہ منوّرہ آکر آباد ہوئے[2]

علم و فضل قاضی شریح رحمہ اللہ نے تمام اکابر صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا تھا۔ ان کی علمی مجالس سے خوشہ چینی اور استفادہ کیا تھا۔ آپ انتہائی ذکی و ذہین، طباع اور فطری صلاحیتوں کے مالک تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"واتفقوا علی توثیقِ شریح ودینہ وفضلہ والاحتجاج بروایاتہ وذکائہ وانہ اعلمہم بالقضاء"[3]

شریح کی توثیق، دینداری، فضل و کمال، ذکاوت اور ان کی روایات سے احتجاج پر سب کا اتفاق ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ آپ اپنے اہلِ زمانہ میں قضا کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "تہذیب التہذیب" میں اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے "سیر اعلام النبلاء" میں اور حافظ یوسف مزی رحمہ اللہ نے "تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" میں امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین کے حوالہ سے آپ کو ثقہ لکھا ہے[4]

---

[1] الاصابہ ج ۳ ص ۲۰۲ [2] سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۰۱ [3] تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۴۴

[4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۲۶ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۰۱ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۲ ص ۴۳۸

آپ حافظ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ کوفہ کے کبار فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

فنِ تعبیر کے امام علامہ ابنِ سیرینؒ کا قول ہے:

"سرج اھل الکوفۃ اربعۃ عبیدۃ السلمانی والحارث الاعور، وعلقمۃ بن قیس و شریحؒ۔"[1]

اہلِ کوفہ کے چراغ (مایۂ ناز شخصیات) چار ہیں۔ عبیدۃ السلمانی، حارث اعور، علقمہ بن قیس اور قاضی شریح۔

آپ کے علم و فضل، نکتہ رسی اور باریک بینی، دُور اندیشی کی شہرت ایسی تھی کہ آپکی عدالت میں بڑے بڑے علماء آپ کے فیصلے سُننے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ مکحولؒ تابعی فرماتے ہیں کہ میں چھ ماہ تک قاضی شریحؒ کی عدالت میں صرف ان کے فیصلے سُننے کے لیے حاضر ہوتا رہا۔[2]

روایتِ حدیث

قاضی شریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً حدیث روایت کرتے ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق، عروۃ البارقی، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں حضرت ابراہیم نخعی، امام شعبی، قیس بن ابی حازم، محمد بن سیرین رحمہم اللہ اور بہت سے اکابر محدثین شامل ہیں۔[3]

آپ صحابئ رسول اور یمن کے گورنر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد تھے۔[4]

عہدۂ قضا پر تقرری

خلیفۂ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا تھا جس کی بناء پر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کی قابلیت اور ذاتی جوہر کو دیکھتے ہوئے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ آپ نے اس شان سے اس ذمہ داری کو نبھایا کہ سبحان اللہ! مسلسل ساٹھ برس تک قاضی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس طویل مدت میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث پیش آئے۔ خلافتِ راشدہ کا دَور ختم ہو کر اموی

---

[1] تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۴۳۹ [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۹ [3] تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۴۳۶، ۴۳۷
[4] ایضاً ص ۴۳۸

دورِ حکومت کا آغاز ہوا، مگر اس تمام عرصہ میں کسی شخص کو بھی آپ کے کسی فیصلہ پر انگشت نمائی کا موقعہ نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو اس عہدہ پر بحال رکھا۔ پھر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا دَور آیا تو آپ نے قاضی شریح کو "اَقْضَی الْعَرَب" (عرب کا سب سے بڑا قاضی) کا خطاب دیا اور آپ کی تنخواہ سو درہم سے بڑھا کر پانچسو درہم کر دی[1]۔ یہاں تک کہ حجّاج کے زمانے میں آپ نے کبر سنی، علالت اور ضعف و پیری کی وجہ سے خود ہی استعفاء دیا اور استعفے کے ایک سال بعد آپ کا انتقال ہوا۔

قاضی شریحؒ چونکہ تاریخ اسلام میں بحیثیت قاضی ہی زیادہ مشہور ہیں اور ان کی ذات پر اعتراض بھی اسی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ اس لیے ہم ان کی قضا کی زندگی کے چند حالات و واقعات درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ وہ قضاء کے معاملہ میں اسلاف کی تعلیمات کے کس قدر پابند تھے۔ امیر و غریب، چھوٹا بڑا، حاکم اور محکوم ان کی نظر میں سب یکساں تھے۔

فاروقِ اعظمؓ قاضی شریحؒ کی عدالت میں

ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے اس شرط پر گھوڑے کا سودا کیا کہ اگر مجھ کو پسند آگیا تو میں رکھ لوں گا، ورنہ واپس کر دوں گا۔ آپ نے امتحان کے لیے ایک دوسرے شخص کو دیا، اتفاق سے وہ گھوڑا زخمی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے مالک کو وہ گھوڑا واپس کرنا چاہا تو مالک نے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ آپس میں بات بڑھی تو کسی تیسرے کو حکم بنانے کا فیصلہ ہوا۔ مالک نے قاضی شریح کا نام پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے قبول کر لیا۔ قاضی شریح نے فیصلہ یہ دیا کہ "امیر المؤمنین جیسا گھوڑا آپ نے لیا تھا ویسا ہی واپس کریں، ورنہ پھر اپنے پاس رکھیں"۔ حضرت عمرؓ نے اپنے خلاف فیصلہ سننے کے بعد دوبارہ سوال کیا، کیا تمہارا یہی فیصلہ ہے؟ اس پر قاضی شریحؒ نے کہا بالکل۔ حضرت عمرؓ نے خوش ہو کر فرمایا، جاؤ آج سے تمہیں کوفہ کا قاضی مقرّر کیا جاتا ہے[2]۔

حضرت علیؓ قاضی شریحؒ کی عدالت میں

ایک قاضی کا سب سے بڑا وصف اور سب سے مقدّم فرض یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں کسی خارجی اور داخلی اثر سے متأثّر نہ ہو اور کسی حالت میں بھی اس کے ہاتھ سے حق و انصاف کا دامن نہ چھوٹنے

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۸　[2] طبقات ابنِ سعد ص ۱۳۲ ج ۶

پائیے۔ قاضی شریحؒ میں یہ وصف اس حد تک تھا کہ قانون اور حق و انصاف کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی شخصیّت اور بڑے سے بڑے تعلّق کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک معمولی شخص کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دینے کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ اب ایک اور واقعہ بھی پڑھ لیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ ایک سفر سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں آپ کی زرہ گر گئی اور کسی یہودی کے ہاتھ لگ گئی۔ حضرت علیؓ کو جب علم ہوا تو آپ نے قاضی شریحؒ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی شریحؒ نے یہودی کو عدالت میں طلب کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ یہ زرہ میری ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ میرے قبضہ میں ہے۔ حضرت علیؓ کو قاضی شریحؒ نے گواہ پیش کرنے کو کہا۔ حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادہ حضرت حسنؓ اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا۔ اس پر قاضی شریحؒ نے کہا کہ قنبر کی شہادت تو میں قبول کرتا ہوں، لیکن تمہارے بیٹے کی شہادت تمہارے حق میں قبول نہیں کرتا۔ دوسرا کوئی گواہ ہو تو پیش کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ کو نوجوانانِ جنّت کا سردار فرمایا ہے کیا تم ان کی بھی شہادت قبول نہیں کرتے۔ قاضی شریحؒ نے جواب دیا کہ میں باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت قبول نہیں کیا کرتا، لہٰذا گواہ نہ ہونے کیوجہ سے فیصلہ یہودی کے حق میں کرتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ برضا و رغبت قبول کر لیا اور زرہ یہودی ہی کے پاس رہنے دی۔ قاضی شریحؒ کے اس فیصلے نے یہودی پر اتنا اثر کیا کہ اس کے قلب کی دنیا ہی بدل گئی۔ اس کا قلب نورِ ایمان سے منوّر ہو گیا اور اس نے اقرار کیا کہ زرہ آپ ہی کی ہے اور اسلام ایک سچّا مذہب ہے کہ مسلمانوں کا قاضی امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ کرتا ہے اور امیر المؤمنین بلا چون و چرا دل و جان سے اسے تسلیم کرتے ہیں اور عدالت ہی میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور حضرت علیؓ نے اس کے اسلام پر خوش ہو کر وہ زرہ اسے ہبہ کر دی[1]

حقیقی بیٹا عدالت کے کٹہرے میں

قاضی شریحؒ تاریخ اسلام کے ان مایۂ ناز قاضیوں میں سے ہیں جن کے فیصلوں پر مسلمان ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے کہ انہوں نے عدل و انصاف کے معاملہ میں خود اپنے رشتہ داروں کو کسی رعایت کا مستحق نہیں سمجھا عدل گستری وہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ان کے ایک بیٹے اور دیگر چند حضرات

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۸۵

کے مابین کسی حق کے بارے میں کچھ تنازعہ تھا۔ بیٹے نے عدالت میں مقدمہ دائر کرنے سے قبل اپنے والدِ گرامی کے سامنے مقدمہ کی تمام نوعیّت رکھی اور والد صاحب سے مشورہ طلب کیا۔ اگر اس صورت میں میرا حق بنتا ہو اور مقدمہ میں کامیابی کی صورت بنتی ہو تو میں آپ کی عدالت میں مقدمہ کرتا ہوں، ورنہ بصورتِ دیگر خاموش رہوں گا۔ قاضی شریح رحمہ اللہ نے مقدمہ کی نوعیت پر غور کر کے مقدمہ دائر کرنے کا مشورہ دیا۔ مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ طرفین کے دلائل سُن کر قاضی شریح رحمہ اللہ نے فیصلہ بیٹے کے خلاف دیا۔ جب گھر واپس آئے تو بیٹے نے کہا، اگر مَیں نے آپ سے پہلے مشورہ نہ کیا ہوتا تو مجھے آپ سے کوئی شکایت نہ ہوتی، لیکن مشورہ کے بعد آپ کے حکم سے مَیں نے مقدمہ دائر کیا، مگر فیصلہ پھر بھی آپ نے میرے خلاف دے کر مجھے رسوا کر دیا ہے۔ قاضی شریح رحمہ اللہ نے جواب دیا :

واللّٰہ یا بنی لَاَ نْتَ احب الی من ملءِ الارض مثلھم ولکن اللّٰہ ھو اعز علی منك ، خشیت ان اخبرك ان القضاء علیك فتصالحھم فتذھب ببعض حقھم[1]

جانِ پدر خدا کی قسم تُو مجھے ان لوگوں جیسے روئے زمین بھر کے آدمیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہیں (تیرے مشورہ کے بعد) مجھے خوف ہوا کہ اگر مَیں نے تجھے بتلا دیا کہ فیصلہ تیرے خلاف ہوگا تو تُو ان سے صلح کر لیتا اور اس طرح ان کا کچھ حق ضرور ضائع ہو جاتا۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا کہ ایک بار قاضی شریح رحمہ اللہ کے ایک لڑکے نے کسی ملزم کی ضمانت دی ملزم بھاگ گیا تو قاضی شریح رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو گرفتار کروا کر قید میں ڈال دیا[2]۔

ایک بار قاضی شریح رحمہ اللہ کے ایک ملازم سپاہی نے ایک شخص کو کوڑوں سے پیٹا تو انہوں نے مضروب سے اسے کوڑے لگوائے[3]۔

ایک بار ان کی برادری کے ایک شخص نے کسی شخص پر کچھ ناروا ظلم کیا۔ قاضی شریح رحمہ اللہ نے اسے سزا

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۹ [2] طبقات ابنِ سعد ج ۶ ص ۱۳۴ [3] ایضاً ص ۱۳۸

کے طور پر ایک ستون سے بندھوا دیا۔ شریح جب واپس جانے لگے تو اس شخص نے کچھ کہنا چاہا، قاضی شریحؒ نے جواب دیا، مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ مَیں نے تمہیں قید نہیں کیا، بلکہ حق نے قید کیا ہے۔[1]

دوست و دشمن دونوں کے ساتھ مساوی سلوک

امامِ شعبیؒ سے روایت ہے کہ اشعث بن قیس قاضی شریح کی عدالت میں آئے تو انہوں نے ان کا جوش و خروش سے استقبال کیا اور شَیخُنَا وَ سَیِّدُنَا کہہ کر انہیں اپنے ساتھ بٹھایا۔ سامنے بیٹھے ہوئے شخص نے اعتراض کیا کہ جناب آپ کو کیا ہو گیا یہ صاحب تو فریقِ مقدمہ ہیں۔ یہ سُنتے ہی قاضی شریحؒ نے اشعث بن قیسؒ سے کہا اٹھیے اور اپنے فریق کے ساتھ سامنے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو جائیے۔ انہوں نے کہا، میں یہیں بیٹھا ہوں آپ مقدمہ کی سماعت کریں قاضی شریحؒ نے جواب دیا اٹھیے، ورنہ زبردستی آپ کو اٹھا دیا جائے گا، تو اشعث بن قیس بادلِ نخواستہ اپنے فریق کے ساتھ سامنے آ کر کھڑے ہوئے۔[2]

قضا میں احتیاط

جریر ازدی قاضی شریحؒ سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں بھوک اور غصّہ کی حالت میں مقدمات کی سماعت نہیں کرتا ـــــــ، بلکہ عدالت سے اٹھ جاتا ہوں۔[3]

ذکاوت و ذہانت

امامِ شعبیؒ سے روایت ہے کہ میں قاضی شریحؒ کی عدالت میں حاضر تھا کہ ایک عورت ایک مرد سے جھگڑتی ہوئی آئی اور عدالت میں زار و قطار رونے لگی۔ مَیں نے دل میں یہ خیال کر کے کہ یہ بیچاری مظلومہ ہے قاضی شریحؒ سے کہا یہ بے چاری مظلومہ معلوم ہوتی ہے۔ قاضی شریحؒ نے جواب دیا، "اے شعبی برادرانِ یوسف بھی اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے ہی آئے تھے"۔[4]

ایک بار ایک شخص نے قاضی شریحؒ کی عدالت میں اپنے جُرم کا اعتراف کیا تو قاضی شریحؒ نے اس کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ اس شخص نے کہا، اے ابوامیہ (قاضی شریحؒ کی کنیت) آپ نے گواہوں کی گواہی کے بغیر میرے خلاف فیصلہ دے دیا ہے۔ قاضی شریحؒ نے جواب دیا: اخبرنی

---

[1] طبقات ابنِ سعد ج ۶ ص۱۳۵ [2] اخبار القضاۃ ج ۲ ص۲۱۶ [3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص۱۳۷

[4] [illegible]

بذالك ابن اخت خالتك " یعنی تیری خالہ کی بہن کے بیٹے نے مجھے اس کی خبر دی ہے[1]

عبادت و ریاضت

قاضی شریح موجودہ دور کے ججز کے مثل نہ تھے، بلکہ وہ عابد، زاہد، متقی، شب زندہ دار تھے۔ تمام دن باوضو رہتے اور دن بھر کی تمام نمازیں ایک ہی وضو سے ادا کرتے۔ آپ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز مسجد میں پڑھ کر گھر آجاتے اور اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے تقریباً نصف النہار تک اوراد و وظائف، ذکر و نوافل، تلاوت و تسبیحات میں مشغول رہتے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم سے آپ کوفہ کی جامع مسجد میں تراویح کی امامت فرمایا کرتے تھے[2]

اخلاق و عادات

قاضی شریح رحمہ اللہ اخلاق و عادات کے اعتبار سے اسلاف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا مکمل نمونہ تھے۔ عاجزی و انکساری، تواضع و مسکنت، خوش اخلاقی و خوش مزاجی آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ سلام کی ابتداء کرنے والا کبر و تکبر سے بری ہوتا ہے، اس لیے قاضی شریح سلام میں ہمیشہ سبقت کرتے تھے۔

قاسم کا بیان ہے کہ کوئی شخص سلام میں قاضی شریح پر سبقت نہیں لے جا سکتا تھا۔

عیسیٰ بن حارث کا بیان ہے کہ میں اکثر سلام میں سبقت کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا، مگر کامیاب کبھی نہیں ہو سکا۔ میری ان سے اکثر راستہ میں ملاقات ہوتی تھی۔ میں ابھی اس انتظار ہی میں ہوتا تھا کہ اب سلام کروں، اب سلام کروں کہ اتنے میں وہ قریب پہنچ کر السلام علیکم کہہ دیتے[3]

ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس سے دوسرے مسلمان کو کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔ قاضی شریح رحمہ اللہ کو اس بات کا اتنا خیال تھا کہ اپنے گھر کے تمام پرنالے بھی گھر کے اندر ہی لگائے تھے، تاکہ اس کے پانی سے کسی گزرنے والے کو تکلیف نہ ہو[4]۔ اس طرح گھر میں مرنے والے کسی جانور کو باہر نہ پھینکتے کہ اسکی عفونت و بدبو سے کسی کو تکلیف نہ ہو، بلکہ اسے گھر ہی میں زمین کھود کر دفن کر دیتے تھے[5]

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۳۵ [2] طبقات ابنِ سعد بذیل ترجمہ [3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۴۱
[4] طبقات ص ۱۴۳ ج ۶ [5] ایضاً

امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ قاضی شریحؒ نے فرمایا مجھے جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو میں چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں ۱ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس سے بڑی مصیبت مجھ پر نہیں آئی ۲ پھر اس مصیبت پر جب اللہ تعالیٰ صبر عطا فرماتے ہیں تو اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں ۳ پھر جب اللہ جلّ شانہٗ اس مصیبت پر ثواب کی امید کرتے ہوئے انّا للہ و انّا الیہ راجعون پڑھنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں تو اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں ۴ اور اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ مصیبت میرے دین پر نہیں آئی۔[1]

ان تمام تفصیلات سے قارئین کے سامنے قاضی شریحؒ کی شخصیت مکمل طور پر نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کیا قاضی شریح جیسی شخصیت سے ممکن ہے کہ انہوں نے چند روپوں کی خاطر سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا فتویٰ دیا ہو۔ جو شخص مسلمانوں کی ایذاء رسانی سے اس قدر بچتا ہو کہ گھر کے پرنالے بھی گھر کے اندر لگائے، گھر میں مرنے والے جانور کو بھی باہر نہ پھینکے کہ اس سے مسلمانوں کو اذیّت ہوگی۔ کیا ایسے شخص کے بارے میں یہ تصوّر کیا جاسکتا ہے کہ وہ قتلِ حسینؓ میں کسی طرح بھی شریک رہا ہو؟

مذکورہ کانفرنس کے منتظمین نے بلاثبوت قاضی شریحؒ پر الزام و بہتان لگایا ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْبُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ ہم نے اس کے جواب کے لیے تاریخ و سیرت کی متعدد کتابوں کو کھنگالا لیکن ہمیں اس کا ثبوت کہیں نہیں ملا؛ البتہ یہ ضرور ملا کہ قاضی شریحؒ کی عادت تھی کہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ اختلافی اُمور سے کنارہ کش رکھتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے بارے میں ابو وائلؒ ان سے نقل کرتے ہیں: قال لی شریح فی الفتنۃ یعنی فی فتنۃ الزبیر ما اخبرتُ ولا استخبرتُ ولا ظلمتُ مسلمًا ولا معاھدًا دینارًا ولا درھمًا[2]

ابو وائل سے روایت ہے کہ مجھے قاضی شریحؒ نے ابن زبیرؓ کے فتنہ کے بارے میں کہا "میں نے نہ کسی کو کچھ بتلایا اور نہ کسی سے کچھ پوچھا اور نہ کبھی کسی مسلمان اور کسی ذمی پر ایک دینار و درہم کے بقدر ظلم کیا۔

---

۱ سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۰۵، تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۳۱۳ ۲ حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۳ ج ۴ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ص ۴۴۲ ج ۱۲

اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی ملا کہ قاضی شریحؒ اور اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے مرکزی کردار کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کے مابین سخت بغض وعداوت اور دشمنی پائی جاتی تھی، چنانچہ ایک بار ابن زیاد کا دایاں ہاتھ بیماری کے سبب گل سڑ گیا۔ تمام اطباء نے اسے کٹوانے کا مشورہ دیا۔ ابن زیاد نے قاضی شریحؒ سے مشورہ کیا تو قاضی شریحؒ نے جواب دیا مجھے یہ پسند نہیں کہ تم اپنی بقیہ زندگی کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ گزارو اور اگر تمہاری موت قریب آچکی ہے تو کیا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کٹے ہوئے ہاتھ سے کروگے۔ اگر اللہ نے پوچھ لیا کہ یہ ہاتھ کیوں کٹوایا تو کیا جواب دوگے کہ آپ کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہوئے۔ اس پر ابن زیاد نے اپنا ہاتھ نہیں کٹوایا اور اس کا زہر تمام جسم میں سرایت کر گیا۔ جس کی بنا پر وہ اسی دن مرگیا۔ فَلَامَ النَّاسُ شُرَیْحًا حَیْثُ نَصَحَ لَہٗ لِبُغْضِہِمْ لِزِیَادٍ۔ لوگوں نے قاضی شریحؒ کو ملامت کی کہ انہوں نے ابن زیاد کو اپنی عداوت کی وجہ سے غلط مشورہ دیا۔[1]

اہلِ تشیع کے نامور عالم و محقق ملّا باقر مجلسی جو بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں انہوں نے اپنے ائمہ کے حالات پر ایک ضخیم کتاب بنام "جلاء العیون در زندگانی و مصائب چہاردہ معصوم علیہم السلام" لکھی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے حضرت امام حسینؓ کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں جو ۲۰۰ سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اس میں بھی قاضی شریحؒ کے اس فتویٰ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اگر یہ بات حقیقت پر مبنی ہوتی تو ملّا باقر مجلسی ضرور اسے نقل کرتے، البتہ انہوں نے صرف اتنا نقل کیا ہے کہ جب حضرت حسینؓ نے مسلم بن عقیل کو کوفہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تو کوفہ میں مسلم بن عقیل نے ہانی بن عروہ کے ہاں قیام کیا، ابن زیاد کے جاسوسوں نے اسے مطلع کر دیا کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ابنِ زیاد نے ہانی کو اپنے ہاں طلب کیا اور اس سے کہا کہ مسلم بن عقیل کو میرے حوالے کرو۔ ہانی نے انکار کیا۔ اس پر بات بڑھ گئی اور ابنِ زیاد نے اپنے ہاتھ کی چھڑی سے ہانی کو پیٹا اور زخمی کر دیا۔ اس پر ہانی بن عروہ نے اپنی تلوار نکالنا چاہی کہ ابن زیاد نے اپنے آدمیوں سے اسے گرفتار کروالیا۔ باہر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ہانی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ جس پر عمرو بن حجاج نے قبیلہ مذحج کے لوگوں کو جمع کرکے ابن زیاد کے گھر (دارالامارۃ) کے باہر مظاہرہ شروع کر دیا کہ ہانی کو بلا کسی جرم کے قتل

---

[1] شذرات الذہب ص ۸۵ ج ۱

کیا گیا ہے اس کے خون کا بدلہ دیا جائے۔ ابنِ زیاد جب اس مظاہرہ سے پریشان ہوا تو:

شریح قاضی را گفت برو ہانی را ببیں و مردم را خبر دہ کہ او زندہ است چوں شریح بنزد ہانی رفت دید کہ خون از روئے ہانی جاریست و می گوید کہ کجایند خویشاں و یاوران من اگر دہ نفر از ایشاں بقصر در آیند مرا از شر ایں ملعون نجات می دھند۔ پس شریح بیرون آمد و صدا زد از بالائے قصر کہ ہانی زندہ است و آسیبے باو نرسیدہ است۔ چوں اہل قبیلہ او شنیدند کہ او زندہ است پراگندہ شدند۔	(ابن زیاد نے) قاضی شریحؒ سے کہا باہر جاؤ اور ہانی کو دیکھو اور لوگوں کو اطلاع کر دو کہ وہ زندہ ہے جب قاضی شریح ہانی کے پاس گئے دیکھا کہ خون ہانی کے چہرہ سے جاری ہے اور ہانی کہہ رہے ہیں کہ کہاں ہیں میرے عزیز دوست۔ اگر ان میں سے دس آدمی بھی محل میں آجائیں تو مجھے اس ملعون کے شر سے نجات دے سکتے ہیں۔ قاضی شریحؒ باہر آئے اور محل کے بالاخانہ سے آواز دی کہ ہانی زندہ ہیں اور انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی ہے۔ جب ان کے قبیلہ نے یہ سنا کہ ہانی تو زندہ ہیں تو (مظاہرین) وہاں سے منتشر ہو گئے۔

(جلاء العیون ص ۳۶۳ مطبوعہ ایران)

قاضی شریحؒ کا اس سے زیادہ تذکرہ ملا باقر مجلسی کی کتاب میں نہیں ملتا۔ ہم اپنی معروضات کو یہیں پر ختم کرتے ہوئے اہلِ انصاف سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی ہستی کے بارے میں کسی قسم کے ریمارکس دینے سے پہلے سوچ لیا کریں کہ اس سے دوسرے کی دل آزاری تو نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس سے اختلاف کی خلیج ختم ہونے کے بجائے بڑھتی ہے۔

وَمَا علینا اِلّا البلاغ المبین

بقیہ : درسِ حدیث

وہ مارے گئے اور ختم ہو گئے۔ اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتلا دیا کہ ایسی صورت ہے، میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ نبوت منقطع نہیں ہوئی نبی آئے گا تو وہ غلط ہے، وہ کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محشور فرمائے۔ آمین

محمد حسین مدرس مدرسہ شمسیہ فخر المدارس
احمد پور سیال ، ضلع جھنگ

السّلام قبل الکلام

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم ۔ دُنیا کی ہر قوم کے اندر یہ چیز مشترک طور پر پائی جاتی ہے کہ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو بات کرنے سے پہلے چند کلمات یا اشارات ان کے ہاں خاص ہوتے ہیں جن سے انس و محبّت اور تعلّق کا اظہار کرتے ہیں اس کے بعد سلسلہ کلام شروع کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ ہم جاہلیّت میں کہا کرتے تھے انعم اللہ بك عینا و انعم صباحًا اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے ، خوش و خرم ہے صبح اچھی کرے مگر جب اسلام آیا تو اس نے ہمیں اس سے روک دیا ۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے ، اور مکمّل ضابطۂ حیات ہے ۔ اس سلسلے میں بھی اس نے ضرور رہنمائی فرمائی ہے ۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر اسلام نے کیا تعلیم دی ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا "اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْکَلَامِ" کہ کلام سے پہلے سلام کرو ۔ اسلام سلامتی کا علمبردار ہے ۔ حدیث شریف میں ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ مُسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مُسلمان محفوظ رہیں ۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہرقل روم کی طرف خط لکھا تو فرمایا اَسْلِمْ تَسْلَمْ اسلام قبول کرو سلامتی میں رہے گا ۔ ہر برتن سے وہی چھلکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے ۔ اسلام میں چونکہ سلامتی ہے اس لیے اس نے بوقت ملاقات وقتی عارضی دُعا اور نامکمّل کلمات خیر کے بجائے جامع کلمہ سلام کو اختیار کیا جو ہر قسم کے شرور سے امن و حفاظت کو شامل ہے ۔ نیز السّلام علیکم کر کے ملنے والا دوسرے کو محسوس کراتا ہے کہ مَیں تیرے لیے امن و سلامتی کے جذبات رکھتا ہُوں مجھ سے تجھے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے اور وعلیکم السّلام کہنے والا بھی اس کی یقین دہانی اپنی طرف سے کرا دیتا ہے دیکھیے مختلف انداز سے کس طرح احادیث مُبارکہ میں سلام کی تاکید و ترغیب ملتی ہے ۔ فرمایا سلام کرو چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہیں جانتے سلام کو

پھیلاؤ آپس میں محبّت بڑھے گی۔ پہلے سلام کرنے والا کبر سے بَری ہے۔ مُسلمان کے مُسلمان پر چھ حق ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ملے تو سلام کرے۔ فرمایا اپنے بھائی کو سلام کرو جب بھی ملے اگر درمیان میں شجر و حجر یا دیوار بھی حائل ہو جائے پھر ملے تو سلام کرو۔ پھر اسلام نے اسے محض ایک رسم کی حیثیّت نہیں دی بلکہ ایک شرعی حکم اور ثواب کی چیز بتایا۔ سلام نہ کرنے والے کی بخیل کہہ کے مذمّت کی گئی ہے اور اس طریقِ ملاقات کو اتنی اہمیّت دی کہ فرمایا یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار مت کرو یہود کا سلام اُنگلیوں سے اشارہ ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی کے ساتھ ہے اسلام قدم قدم پر اپنے ماننے والوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ اپنے امتیازی نشان کو باقی رکھیں۔ دوسری قوموں کی تقلید نہ کریں مگر افسوس کہ ہم نے اس دَور میں اس حقیقت کو بالکل فراموش کر دیا۔ سلام کو بھی سُنّت اور ثواب سے نکال کر رسم و رواج میں داخل کر دیا جس کو جانتے ہیں اسے سلام کرتے ہیں تبسّم کے ساتھ استقبال کرتے ہیں اور جسے نہیں جانتے اُس کی طرف دیکھتے بھی نہیں کہ راستے سے کون گزر رہا ہے۔ امیر کو سلام کرنے کا انداز اور ہے غریب کو سلام کرنے کا طریقہ اور لہجہ اور ہے، بلکہ بہت سے لوگوں نے تو سلام کے لفظ کو ہی چھوڑ دیا ہے۔ خاموشی سے ایک ہاتھ اُٹھا دیتا ہے۔ دوسرا سر ہلا دیتا ہے اگر کچھ منہ سے کہتے بھی ہیں تو وہی جاہلیّت والے الفاظ شب بخیر، گڈ مارننگ وغیرہ جس سے اسلام نے روکا ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا قدم ترقّی کی طرف ہے، حالانکہ یہ اسی جہالت کے گڑھے میں گر رہے ہیں۔ جس سے اسلام نے نکالا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی جامع اور کامل تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بقیہ : سیرت مبارکہ

بچے تھے۔ انھوں نے ایک کھجور منہ میں رکھ لیا۔ جیسے ہی سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نظر پڑی لختِ جگر کو تنبیہہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا

کخ کخ اما شعرت انّا لا نا کلُ الصدقۃ

اخ تھو۔ اخ تھو۔ تمہیں اتنی تمیز نہیں۔ ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔

لہ بخاری شریف ص۲۰۲ و فتح الباری۔

دارُالافتاء جامعہ مدنیہؒ لاہور

مستفتیین و مستفسرین کے اسماء گرامی خود ان کی ہی مصلحت کے پیشِ نظر محذوف ہیں۔

—: مجیب و مفتی :—

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زید مجدہم، مدرس و نائب مفتی جامعہ مدنیہ

سوال

فرضوں کے بعد دعا کرنے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا عام طور سے لوگوں میں معمول ہے اور مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نفائس مرغوبہ میں بھی اس کے حق میں دلائل لکھے ہیں، لیکن اب کچھ ایسے مضامین و رسائل بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ فرضوں کے بعد دعا میں ہاتھ نہیں اٹھانے چاہییں اور جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد اللّٰھم انت السلام الخ اور تین بار استغفار سے زیادہ دیر بیٹھنا مکروہ ہے۔ اگر ہمارا معمول یہ طریقہ صحیح ہے تو ہمارے لیے باعثِ اطمینان چند ایک وجوہات ذکر کر دی جائیں۔

الجواب باسم ملھم الصواب حامداً و مصلیاً

فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے، بلکہ مستحب ہے۔ اس بارے میں چند ایک نکات ذکر کیے جاتے ہیں :

۱ : حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ نفائس مرغوبہ میں اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "استحباب الدعوات عقیب الصلوات" میں اس مسئلہ پر تفصیل سے مدلل کلام کیا ہے جو کہ کافی و شافی ہے۔ ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی دونوں ہی ہاتھ اٹھا کر دعا کریں اور اس دعا کے لیے اللّٰھم انت السلام اور تین مرتبہ استغفار کی مقدار تقریبی و تخمینی ہے۔ جس میں اگر تھوڑا اضافہ کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

۲ : مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے رسالہ نفائس مرغوبہ کی تائید کرنے والوں میں حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ، حضرت مولانا سیّد اصغر حسین رحمہ اللہ، حضرت مولانا سیّد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور حضرت

مولانا عبداللطیف مظاہری رحمہ اللہ وغیرہم شامل ہیں۔

ظاہر ہے کہ تائید کرنے والے ان حضرات کا اپنا عمل بھی اسی کے موافق ہوگا اور پھر ان حضرات کے سامنے اپنے اساتذہ اور بڑوں کا عمل بھی ہوگا۔ ان بڑوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ حضرت مولانا محمدؒ قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ ہیں۔ اور یہ بات ناقابلِ فہم اور ناقابلِ اعتبار ہے کہ ان اکابر کا عمل ان تائید کرنے والے حضرات کے عمل سے مختلف ہو، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو تائید کرنے والے اپنے ان اکابر کے عمل کے خلاف نہ کرتے، کیونکہ یہ اکابر سنّت و بدعت اور جائز و ناجائز کے معاملہ میں انتہائی حسّاس تھے۔ ان کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس کثیر الوقوع عمل کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا رہے ہوں یا ان کو اصل مسئلہ کی تحقیق نہ ہو۔

لہٰذا ان اکابر کا عمل ہمارے لیے باعثِ اطمینان ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بلا دلیل اور ناجائز نہیں ہے۔

۳ : آداب الدعا سے متعلق جو ضابطہ بنتا ہے وہ اس طرح ہے کہ مختلف اوقات کے لیے جو دعائیں اور وظائف منقول ہیں ان میں یہ رعایت برتی گئی ہے کہ آدمی اپنی مشغولیتوں میں رہتے ہوئے ان کو پڑھ لے خواہ وہ بیت الخلاء میں داخل ہونے کی وقت کی ہوں یا اس سے باہر نکلنے کے وقت کی ہوں، کھانے سے فارغ ہونے کی ہوں، یا سواری پر چڑھتے اُترتے وقت کی ہوں، جماع کے وقت کی ہوں یا انزال کے وقت کی ہوں وغیرہ ظاہر ہے کہ ان مشغولیتوں میں رہتے ہوئے دعا کرنے کے لیے ہاتھ اٹھانا دشوار ہے اور سلف و خلف سے منقول بھی نہیں۔

ان کے برعکس وہ دعا جس کے لیے آدمی وقت نکال کر اور اپنے آپ کو فارغ کر کے کرے اس میں آداب دعا کو ملحوظ رکھنا مستحب ہے اور آداب دعا میں سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی ہے۔

فرضوں کے بعد جو دعا ہے وہ دوسری قسم کے قبیل سے ہے، کیونکہ اس وقت آدمی کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوتا اور اس کے پیشِ نظر اس وقت دعا کا عمل ہی ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ اپنے آپ کو فارغ کیے بیٹھا ہوتا ہے، لہٰذا اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ضابطہ کے مطابق بھی ہے۔

فرضوں کے بعد کی دعا کے پہلی قسم میں داخل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پہلی قسم کے اذکار و

ادعیہ منقول اور متعین ہیں۔ منقولہ دعاؤں اور اذکار کو پڑھنے سے ہی ان اوقات کے اذکار اور دعائیں ادا شمار ہوں گی۔ اگر ان کی جگہ کسی اور مضمون کی دعا پڑھے تو اس وقت کے ذکر اور دعا کی ادائیگی شمار نہ ہوگی۔ اس کے برعکس اگرچہ فرضوں کے بعد کی بعض دعائیں اور اذکار منقول ہیں، لیکن فرضوں کے بعد کی دعا کا عمل ان منقولات پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اگر اپنی حاجت کی کوئی اور دعا کر لی تب بھی فرضوں کے بعد کی دعا کا عمل حاصل ہو جائیگا۔ غرض فرضوں کے بعد کی دعایں ہاتھ اٹھانا ضابطہ کے مطابق بھی ہے۔

انتقالِ پُرملال

ماہِ اگست میں حضرت مولانا اجمل خانصاحب مدظلہم کی والدۂ محترمہ اپنے آبائی گاؤں میں طویل علالت کے بعد وفات پاگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ نے ماشاء اللہ لمبی عمر پائی تھی۔ بہت عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر بلند درجات نصیب فرمائے۔ مولانا اور دیگر پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ ادارہ مولانا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

گذشتہ ماہ ۲۳ ستمبر کی شام مہتمم مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم علماء کے حلقہ میں بہت قابلِ قدر سمجھے جاتے تھے۔ ساری عمر دینی خدمات کے لیے وقف رہے۔ حضرتِ اقدس بانی جامعہ سے قدیم نیازمندانہ تعلق تھا۔ جامعہ سے بھی بہت قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ جب کبھی لاہور تشریف لاتے تو جامعہ ہی میں قیام فرماتے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی خدمات کو قبول فرما کر اپنے ہاں بلند درجات سے سرفراز فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

احترامِ استاذ

"حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی ذات سے بڑی عقیدت اور شیفتگی تھی اور وہ ان کا ہمیشہ بڑا احترام کرتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سوار ہوتے تو یہ انکے پیچھے پیچھے پیدل ان سے سوالات کرتے جاتے تھے، ان کا خود اپنا بیان ہے کہ مَیں نے تیس برس سے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں امام شافعیؒ کے لیے دُعا نہ کی ہو[1]۔"

حضرت شیخ الہندؒ اور اتباعِ شریعت

مولانا راشد حسن عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

"حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت کا تمام خاندان حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عاشق تھا، مگر حضرت کی اہلیہ بیقرار تھیں کہ حسین احمد کو چھاتی سے لگا کر پیار کروں اور حسین احمد سے کسی طرح پردہ نہ کروں۔ بار بار فرماتی تھیں۔ بیقراری کے انداز میں فرماتی تھیں۔ یہ بات حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے کہی گئی۔ منشا حضرت سے اجازت لینا تھا۔ حضرت

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۲۶ بحوالہ تذکرۃ المحدّثین ج ۱ ص ۱۲۶

رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی رقّت آمیز لہجے سے فرمایا کہ اگر میرا بیٹا ہوتا تو اتنی خدمت نہیں کرسکتا تھا۔ میرا بھی دل نہیں چاہتا کہ تم پردہ کرو، مگر یہ سوچ لو کہ شریعت حقہ کے خلاف ہے۔ تم کو گناہ ہوگا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ بھی بہت دیندار تھیں اپنے ارادہ سے خدا کے خوف کی وجہ سے ہٹ گئیں اور پردہ کے پیچھے بیٹھا کر پیار کیا۔[1]

یاد رہے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن دیوبند میں گزرا تھا اور آپ کا بلا روک ٹوک حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آنا جانا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی اہلیہ حضرت مدنیؒ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے بہت شفقت فرمایا کرتی تھیں۔ مندرجہ بالا واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت شیخ الہند اور حضرت مدنی رحمہما اللہ مالٹا سے رہا ہوکر دیوبند پہنچے تھے۔ اس وقت حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ ضعیف العمر ہوچکی تھیں۔

حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کا تقویٰ

مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں :

"ہمارے دار العلوم دیوبند کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے، ولیِ کامل حضرت مولانا اصغر حسین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) ان کی ایک طالب علم خدمت کرتا تھا اور گھر کا سودا سلف لادیتا تھا۔ ایک مرتبہ خادم کو پیسہ کی ضرورت ہوئی۔ بہت چاہا کہ کہیں سے مل جائے، لیکن اس وقت مطلوب رقم کہیں سے نہ مل سکی۔ سوچا کہ میں حضرتؒ کا خادم ہوں حضرت مخدوم، میں کیوں نہ ان سے لے لوں۔ ان سے قرض دس۱۰ روپے مانگے آپ نے دے دیئے۔ اگلے دن یہ طالبعلم اس وقت پہنچا جو سودا سلف لانے کا وقت تھا۔ حضرت میاں صاحب روزانہ پرچہ سودے کا لکھ کر رکھ لیتے تھے۔ یہ طالب علم آئے، لیکن آپ نے پرچہ نہ دیا۔ طالب علم کھڑے انتظار کرتے رہے، سوچا کہ ابھی لکھا نہ ہوگا۔ بہت دیر گزر گئی اور حضرت بار بار دروازہ کی طرف دیکھتے کہ کوئی

---

[1] تذکرہ شیخ مدنیؒ ص ۱۱۲

طالب علم اور آجائے۔ طالب علم نے پوچھا کہ کس کا انتظار ہے؟ فرمایا کہ کسی طالب علم کا انتظار ہے۔ وہ بولا کہ حضرت مَیں بھی تو طالبعلم ہوں جو کچھ کام ہو فرما دیں۔ ارشاد ہوا کہ اب تم سے خدمت نہیں لوں گا۔ اس نے گبھرا کر پوچھا کیا ناراضگی ہے، بلکہ وہ رونے لگا۔ اصرار کیا تو فرمایا کہ مَیں تم سے ناراض نہیں ہوں، مگر تم نے دس روپے مجھ سے قرض لیے تھے ڈر ہے کہ اگر (تم سے) خدمت لی تو کہیں سُود نہ ہو جائے[1]۔

حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۴ء) حضرت میاں جی منّے شاہ صاحب اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہما کے خلیفہ، دارالعلوم دیوبند کے استاذ الحدیث اور مادر زاد ولی تھے۔ آپ کا یہ واقعہ امامِ اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے واقعہ سے ملتا جُلتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس موقعہ پر امام الائمہ سراج الامۃ کا واقعہ بھی درج کر دیا جائے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اکابر علمارِ اہلِ سُنّت کا تقویٰ وطہارت، خوف وللّٰہیّت اور اتباعِ شریعت اپنے اسلاف کے تقویٰ وطہارت کا تسلسل ہے، تو لیجئے حضرت امامِ اعظم رحمہ اللہ کا واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

"احمد بن اسماعیل بغدادی فرماتے ہیں کہ مَیں نے شیخ الاسلام یزید بن ہارونؒ سے اپنے کانوں سے یہ بات سُنی ہے۔ ان سے سوال ہوا کہ عالم کے لیے فتویٰ دینا کب جائز ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب انسان امام ابو حنیفہؒ جیسا ہو جائے۔ سائل نے کہا کہ ابو خالد (یہ حضرت یزید بن ہارونؒ کی کنیت ہے) آپ ایسی بات کہتے ہیں؟ فرمایا، ہاں! مَیں تو اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہوں۔ مَیں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑا فقیہ اور ان سے بڑھ کر کوئی پرہیز گار نہیں دیکھا۔ مَیں نے ایک دن دیکھا کہ آپ ایک شخص کے دروازہ کے سامنے دھوپ میں بیٹھے ہیں۔ مَیں نے کہا، اے ابو حنیفہ کاش کہ آپ سایہ میں چلے جاتے (تو اچھا ہوتا) فرمایا میرا اس گھر والے کے ذمّے کچھ قرضہ ہے۔ مَیں جائز نہیں سمجھتا کہ اس کے گھر کے سایہ میں بیٹھوں۔

---

[1] گل افشانی کردار صد ۳۱

حضرت موفق بن احمدؒ کہتے ہیں کہ یہی واقعہ یحیٰی بن زائدہ سے بھی مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ مَیں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ بتلایئے آپ سایہ میں کیوں نہیں جاتے۔ آپ نے فرمایا " اس گھر والے کے ذمّے میرا کچھ قرضہ ہے۔ مَیں یہ مکروہ سمجھتا ہوں کہ مَیں اس کی دیوار کے سایہ سے سایہ حاصل کروں اور میرا قرضہ ایسا قرضہ بنے جو اپنے ساتھ نفع لائے "[1]

حدیث میں آتا ہے کہ جو قرض اپنے ساتھ نفع لائے وہ سود ہے۔ حضرت امام صاحبؒ کے پیشِ نظر یہ حدیث مبارک تھی۔ اس کی روشنی میں آپ یہ خیال فرماتے تھے کہ مقروض کی دیوار سے سایہ حاصل کرنا بھی گویا کہ ایک قسم کا نفع حاصل کرنا ہے۔

مظلوم کی بد دعا

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مین کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں یہ نصیحت فرمائی : اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ ۔ مظلوم کی بد دعا سے بچنا، کیونکہ اس کی بد دعا اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا : مظلوم کی دعا رد نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اسے بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ مَیں تیری ضرور مدد کروں گا گو (کسی مصلحت سے) کچھ دیر ہو جائے " اس میں مسلم غیر مسلم بلکہ انسان اور حیوان کی بھی تخصیص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مظلوم کی پکار کو سُنتے ہیں۔ زمانے میں ایسے واقعات اکثر و بیشتر پیش آتے رہتے ہیں جن سے ان ارشادات کی صداقت کا ظہور ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیدؒ حسین احمد مدنی قدس سرّہٗ نے دو واقعات سنائے ہیں جن میں سے ایک کا تعلق حیوانات سے دوسرے کا غیر مسلم سے۔ دونوں واقعات ہمارے لیے عبرت کا سامان ہیں۔ حضرتؒ کی زبانی وہ واقعات آپ بھی سُنیے :

حضرت مدنی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں :

(۱) کابل کے ایک شخص نے اپنی آنکھوں دیکھا ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ کابل کے جنگلات میں جنگلی جانوروں کی بڑی کثرت تھی۔ ان کی وجہ سے باغات اور کھیتی کو سخت نقصان

[1] مناقب ابی حنیفہ للامام موفق بن احمد مکی ص ۱۶۵

پہنچتا تھا۔ ایک مرتبہ ان جانوروں کو گھیر کر جنگل میں آگ لگا دی گئی۔ جب آگ نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو ان حیوانات کے گلہ میں سے ایک سوّر سامنے آیا اور آسمان کی طرف مُنہ اٹھا کر اس نے چیخنا شروع کیا۔ یکبارگی آسمان پر بادل گھِر آئے اور موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ جنگل کی تمام آگ بجھ گئی اور گھرے ہوئے جانور نکل گئے"۔[1]

(۲) "فتنۂ تاتار کے اس عبرت ناک واقعہ کو یاد کرو جب چنگیز خان نے خوارزم کے ظلم کے مقابلہ میں اللہ سے فریاد کی تھی اور تین رات ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر خدا سے التجا کرتا رہا کہ "اے خدا خوارزم شاہ نے میری قوم پر ظلم کیا ہے۔ میری قوم مظلوم ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ تو مظلوم کی امداد کرتا ہے تو میری قوم کی مدد کر"۔ تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آتش پرست چنگیز اور اس کی قوم کی کس طرح امداد کی۔ چنگیز خان ایک خانہ بدوش قبیلہ کو لے کر اُٹھا اور تمام اسلامی سلطنتوں کو تہ و بالا کرتا چلا گیا۔ آج وہ تاریخ کا سب سے بڑا فاتح شمار کیا جاتا ہے"۔[2]

اہلِ خیر کے تین کلمات

كان اهل الخير يكتب بعضهم الى بعض بثلاث كلمات من عمل لآخرته كفاه الله امر دنياه ومن اصلح سريرته اصلح الله علانيته ومن اصلح فيما بينه وبين الله اصلح الله ما بينه وبين الناس۔[3]

اہل خیر تین کلمے آپس میں ایک دوسرے کو لکھا کرتے تھے۔ اوّل یہ کہ جو شخص آخرت کے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے کاموں کو درست فرما دیتے ہیں اور ان کی ذمہ داری خود لے لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو شخص اپنی باطنی حالت کو درست کرلے (کہ قلب کا رُخ سب سے ہٹا کر اللہ کی طرف پھیر دے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ظاہری حالت خود بخود درست فرما دیتے ہیں تیسرے یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملہ کو صحیح و درست کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور تمام لوگوں کے درمیان کے معاملات کو خود درست فرما دیتے ہیں۔

---

[1] تذکرہ شیخ مدنی ص۲۱۶ [2] تذکرہ شیخ مدنی ص۲۱۶ [3] تفسیر رُوح البیان ج ۴ ص۱۹۹

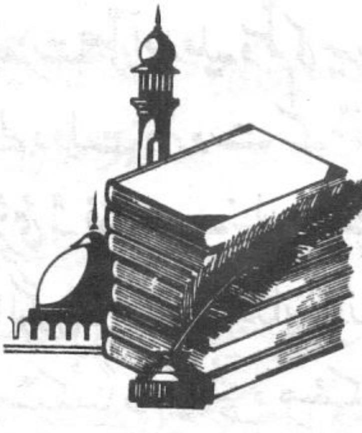

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : غریبوں کا والی (صلّی اللہ علیہ وسلّم)
تالیف : حافظ محمدؐ سعد اللہ
صفحات : ۴۳۲
سائز : ۳۶×۲۳ / ۱۶
ناشر : مرکز تحقیق (ریسرچ سیل) دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور
قیمت : ۱۲۰/

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جہاں دیگر خصوصیات و امتیازات حاصل ہیں وہیں یہ خصوصیّت و امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپ کی سیرت کے مختلف گوشوں پر جتنا لکھا گیا ہے اور تا حال لکھا جا رہا ہے اتنا کسی بھی فرد بشر کی سیرت پر نہیں لکھا گیا، خواہ وہ نبی ہو یا ولی، ریفارمر ہو یا مصلح۔

اور یہ خصوصیّت و امتیاز بھی صرف اور صرف آپ صلّی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ بابرکات کو حاصل ہے کہ آپ کی حیاتِ طیّبہ کے تمام پہلو خانگی زندگی سے متعلق ہوں یا خارجی زندگی سے اُمّت کے سامنے سورج کی روشنی کی طرح واضح ہیں۔ آج مُسلمان اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے ہر پہلو کو علیٰ وجہ البصیرت بیان کر سکتے ہیں، جبکہ دیگر انبیاء کرام کی اتباع کے دعویداروں کے پاس اپنے نبی کی سیرت و سوانح کے کسی ایک گوشہ کے متعلق بھی صحیح معلومات نہیں ہیں اور وہ تاریخ اسلام سے ہٹ کر اپنے نبی کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ مبارکہ کے تابناک پہلوؤں میں سے ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے دولت و ثروت کے مقابلے میں ہمیشہ فقر و غربت کو پسند کیا۔ آپ کا ارشاد ہے "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ"۔ فقر میرے لیے باعثِ فخر ہے۔ آپ نے ہمیشہ غریبوں، بیکسوں، مظلوموں اور بے سہارا لوگوں کا ساتھ دیا اور اپنا اوڑھنا بچھونا اسی کو بنایا۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاکِیْنِ"۔ اے اللہ مجھے مسکینی کے ساتھ زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت میں مجھے محشور فرما۔

الطاف حسین حالی خوب فرماتے ہیں ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بَر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ　　خطا کار سے درگذر کرنے والا

زیرِ نظر کتاب "غریبوں کا والی" میں سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ مبارکہ کے اسی مقدس و مبارک پہلو کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مؤلّف حافظ سعد اللہ صاحب جو حضرت مولانا سیّد محمد متین ہاشمی رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد اور دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری میں ریسرچ آفیسر ہیں، بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اُنہوں نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ کتاب و سُنّت، تاریخ و تذکرہ اور سیرۃ و سوانح میں بکھرے ہوئے قیمتی موتیوں کو یکجا کردیا ہے۔ بچپن سے اس موضوع سے متعلّق تقریریں سنتے اور تحریریں پڑھتے چلے آئے تھے، لیکن سیرۃ کے اس پہلو سے متعلق مواد یکجا صورت میں نظر سے نہیں گزرا تھا۔

راقم کے ذہن میں اس موضوع سے متعلّق بہت سی باتیں اور واقعات تھے جنہیں کئی بار بیان کرنے کا موقع بھی ملا، لیکن یہ چیزیں کسی ایک کتاب میں یکجا نہیں ملتی تھیں۔ حافظ صاحب کی کتاب کے مطالعہ سے مسرت ہوئی کہ جتنی باتیں راقم کے ذہن میں تھیں وہ سب اس کتاب میں راقم نے موجود پائیں۔

حافظ صاحب نے اپنی اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں حضور نبی کریم

صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دُنیا میں تشریف لانے سے قبل غربا ء و مساکین کی جو حالت تھی اس کو بیان کیا ہے دوسرے باب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ولادت با سعادت سے لے کر اعلانِ نبوّت تک کے زمانے کے حالات اور اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غریب پروری کو بیان کیا ہے۔ تیسرے باب میں مکی دَور یعنی بعثت سے لے کر ہجرت تک کے زمانے میں ضعیف مسلمانوں کے ساتھ جو حالات پیش آئے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جس طرح ان کی دلداری کی اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ چوتھے باب میں مدنی دَور یعنی مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد سے لے کر وصال تک کے زمانے میں آپ کے غریبوں کے ساتھ مثالی کردار کو اجاگر کیا ہے۔

کتاب کا انداز اس قدر دلکش ہے کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہماری رائے ہے کہ عوام کے ساتھ ساتھ امراء وحکام اور مارکسزم اور سوشلزم سے متأثر افراد جو رات دن غریبوں کے حقوق کی جدوجہد کے راگ الاپتے پھرتے ہیں وہ اس کتاب کو بنظرِ انصاف پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ غریبوں کو ان کے حقوق کس نے دیئے ہیں؟ اور معاشرہ میں سچی مساوات کس نے قائم کی ہے؟ کارل مارکس اور لینن نے یا حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے؟ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یقیناً وہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ غریبوں کے سچے والی اور ان کے حقوق دینے والے حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔

ان معروضات کے ساتھ حافظ صاحب موصوف سے گزارش ہے کہ وہ ایک تو آئندہ اشاعت میں کتاب میں رہ جانے والی بعض کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کروائیں دوسرے آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ کسی اچھے خوشنویس سے کتابت کروائیں۔ تیسرے ان پر اعراب ضرور لگائیں، کیونکہ بغیر اعراب کے عوام آیات واحادیث کو صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ چوتھے بعض مقامات پر حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اسمِ گرامی کے ساتھ پورے درود شریف کے بجائے صرف ؐ لکھا ہوا ہے اس کی جگہ پورا درود شریف لکھا جائے۔ پانچویں بہت سے مقامات پر صحابہ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ تعظیمی کلمات (حضرت وغیرہ) اور دعائیہ کلمات (رضی اللہ عنہ) نہیں لکھا گیا اس کے لکھنے کا بھی اہتمام کیا جائے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی اس کاوش کو مقبول و منظور فرما کر اس کتاب کو عوام کے لیے نافع بنائے۔

مذکورہ کتاب اپنی معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری خوبی سے آراستہ، نہایت ارزاں قیمت پر مارکیٹ

میں دستیاب ہے۔ قارئین اس سے ضرور استفادہ فرمائیں۔

نام کتاب : دروس الحدیث (ج ۴)

افادات : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

مرتب : الحاج لعل دین ایم اے

صفحات : ۳۹۲

سائز : ۲۰ × ۲۶ / ۸

ناشر : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت : ۹۰ روپے

امام اہل سنّت حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م - ۲۴۱ھ) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ اپنے دور کے بہت بڑے محدّث، فقیہہ اور مجاہد تھے۔ آپ نے جہاں دین کی دیگر خدمات انجام دیں وہیں ایک بہت بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ تقریباً ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے تیس ہزار احادیثِ مبارکہ کا ایک مجموعہ تیار کیا جو آج "مسند امام احمد" کے نام سے عالم اسلام میں معروف و مشہور ہے۔ محدّثین نے اس مسند کو اُمّہات الکتب میں سے قرار دیتے ہوئے دوسرے درجہ کی کتبِ حدیث میں شمار کیا ہے۔

بہت بڑا المیہ ہے کہ اس دَور میں کچھ لوگ حدیث کے اس عظیم ذخیرہ کی حیثیّت ختم کرنے کے درپئے ہوتے ہیں، چنانچہ حکیم فیض عالم صدیقی مشہور غیر مقلد مسندِ احمد پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> "مسند احمد بن حنبلؒ کا جامع اوّل ابوبکر شافعی کے نام سے معروف ہے۔ حقیقت میں یہ شخص رافضی تھا اور بظاہر شافعی بنا ہوا تھا۔۔۔ مسند کا جامع دوم ابوبکر قطیعی متوفی ۳۶۸ھ ہے۔ یہ بھی شیعہ تھا۔ ان دونوں شیعوں نے امام احمد اور ان کے بیٹے عبداللہ سے کچھ حدیثیں لے کر ان میں جا بجا اپنے مسلک کے مطابق محو و اثبات کر کے شیعی روایات کے الفاظ کو بدل کر اپنی خود ساختہ حدیثوں کے مناسب اسناد جوڑ کر چھ ضخیم جلدوں میں ایک ضخیم مجموعۂ احادیث مدوّن کر ڈالا"[1]

---

[1] خلافتِ راشدہ صد ۸۴

مشہور منکرِ حدیث تمنا عمادی نے مسندِ احمد کے خلاف مستقل ایک مضمون لکھا ہے جو حبیب الرحمٰن صدیقی نے اپنی کتاب مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت کی چوتھی جلد کے آخر میں درج کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم کو آپ نے درس کے لیے مسندِ احمد کو منتخب فرمایا۔ ہماری نظر سے کسی اور عالم کی مثال نہیں گزری جنہوں نے اس دَور میں مسندِ احمد کو درس کے لیے منتخب کیا ہو۔ اسی کے ساتھ الحاج لعل دین صاحب بھی لائق صد تحسین ہیں کہ وہ حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم کے ان افادات کو کیسٹ سے نقل کر کے کتابی شکل میں دروس الحدیث کے نام سے شائع فرما رہے ہیں۔ الحمد للہ اب تک دروس الحدیث کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر "دروس الحدیث" کی چوتھی جلد ہے۔ جس میں دو سو ستائیس احادیث مبارکہ کی تشریح اختصاراً کے ساتھ انتہائی دلنشین انداز میں پیش کی گئی ہے۔ خوبصورت ڈائی ڈار جلد اور عمدہ کاغذ و طباعت کے ساتھ دروس الحدیث کی یہ چوتھی جلد مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ قارئین اس سے استفادہ کر کے اپنے ایمان کو جلاء بخشیں۔ (ن - ا)

اخبار الجامعہ

محمد عابد
متعلم جامعہ مدنیہ

○ ۳ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ ۲ جولائی ۱۹۹۵ء بروز اتوار مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب مدظلہٗ جامعہ تشریف لائے اور مہتمم جامعہ حضرت مولانا رشید میاں صاحب سے ملاقات کی۔ آپ نے صاحبزادہ محترم سید مقصود میاں مرحوم کی وفات پر تعزیت بھی کی۔

○ ۲۸ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ ۲۷ جولائی ۱۹۹۵ء بروز جمعرات مولانا امیر حسین شاہ صاحب گیلانی تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

○ ۴ ربیع الاوّل ۲ اگست بروز بدھ جامعہ کی وسیع و عریض مسجد میں تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں سہ ماہی امتحان منعقدہ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ میں کامیاب ہونے والے طلبار کو انعامات دیئے گئے۔ تقریب کا آغاز شعبہ تجوید کے مدرس قاری محمد ادریس صاحب کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ اور حضرت مہتمم صاحب نے بیان فرمایا۔ بیانات کے بعد کامیاب ہونے والے طلبار کو انعامات دیئے گئے۔ اور آخر میں استاذ الحدیث مولانا عبد الرشید کشمیری صاحب نے جامعہ کی ترقی اور طلباً کی دارین میں فلاح و کامیابی کی دعا فرمائی۔

اس سال جامعہ کے سہ ماہی امتحان (کے درجہ کتب) کا اجمالی جائزہ :

کُل شرکار درجہ کتب : ۱۷۱ - ممتاز : ۷۶ ، جید جداً : ۲۱ ، جید : ۳۱، مقبول: ۲۶ راسب (فیل) : ۱۷

درجہ کتب بشمول تجوید و قرآت کے قابل انعام طلبہ : ۱۶

درجہ حفظ و درجہ ناظرہ کے قابل انعام طلبہ : ۱۲

○ ۷ ربیع الاوّل کو تحریک نفاذِ شریعت ملاکنڈ ایجنسی کے اہم رکن جناب ریٹائرڈ میجر خورشید اقبال صاحب جامعہ تشریف لائے اور تحریک سے متعلق نیز مختلف موضوعات پر نائب مہتمم صاحب سے بات چیت کی۔

○ ۷ ربیع الاوّل ہی کو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہم خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ بہاولپور سے تشریف لائے اور جامعہ میں ایک دن قیام فرمایا۔

○ ۲۴ ربیع الاوّل کو نائب مہتمم مولانا سیّد محمود میاں صاحب سنجاکوٹ تشریف لے گئے اور ۲ ربیع الثانی کو واپس تشریف لائے۔ آپ وہاں سے شیر گڑھ بھی گئے اور وہاں دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہم سے ملاقات کی اور دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کا دورہ بھی کیا۔

○ ۲۶ ربیع الاوّل ۲۴ اگست کو جامعہ مدنیہ واقع رائے ونڈ روڈ میں شعبہ تحفیظ القرآن الکریم میں زیرِ تعلیم ایک طالب علم عبدالحکیم بجلی کا کرنٹ لگنے کے باعث شہید ہوگئے۔ یہ طالب علم ڈیرہ غازی خاں کے رہنے والے تھے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جب ان کی میت ان کے گھر لے جائی گئی تو ان کے والد حافظ عبداللہ صاحب کو جواں سال بیٹے کی شہادت پر فطری رنج و افسوس تو ہوا، مگر انہوں نے انتہائی صبر و تحمّل سے کام لیا اور فرمایا، "مجھے بیٹے کی وفات پر افسوس تو ہے مگر آپ کو چاہیئے یہ تھا کہ آپ اسے وہیں دفن کر دیتے، کیونکہ یہاں بھی ہم نے اسے دفن ہی کرنا ہے، لیکن اسے تکلیف نہ دیتے۔ ویسے بھی اتنی دور لانا شرعاً مناسب نہ تھا۔" اللہ تعالےٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور والدین کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

○ ۶ ربیع الثانی کی شام جامعہ مدنیہ کے معاونِ خصوصی جناب آفتاب احمد صاحب کراچی سے تشریف لائے۔ آپ نے حضرت مہتمم صاحب و نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی اور جامعہ کی تعلیم و ترقی پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ اگلے روز آپ واپس تشریف لے گئے۔

○ ۱۲ ربیع الثانی کو حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرۃ اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے پوتے جناب مولانا تنویر احمد صاحب شریفی کراچی سے تشریف لائے اور حضرت نائب مہتمم صاحب سے خصوصی ملاقات کی۔

○ ۱۹ ربیع الثانی کو جامع کی مجلسِ شوریٰ کے رکن جناب حضرت مولانا عبداللہ صاحب بھکر سے تشریف لائے۔ دو دن جامعہ میں آپ کا قیام رہا۔